ماہنامہ

حکمت بالغہ

جنوری2012

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

جنوری

2012ء

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

قرآن اکیڈمی جنھگ

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المعارج	3
حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصطلاحات	انجینئر مختار فاروقی	8
اَلصَّلٰوۃ (5)		
تقربِ الٰہی کے مدارج و ذرائع	انجینئر مختار فاروقی	26
آج ہم کہاں کھڑے ہیں، یہاں کیسے پہنچے؟	عبدالرشید ارشد	48
مدیر کے نام	محمد رشید ملتان	59

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ المعارج (70) آیات 36-44

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فَمَالِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُهۡطِعِيۡنَ O

تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ تمہاری طرف دوڑے چلے آتے ہیں

عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيۡنَ O

(اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہو کر

اَيَطۡمَعُ كُلُّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّدۡخَلَ جَنَّةَ نَعِيۡمٍ O

کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے

کہ نعمت کے باغ میں داخل کیا جائے گا؟

كَلَّا اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّمَّا يَعۡلَمُوۡنَ O

ہرگز نہیں۔ ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ O

ہمیں قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم طاقت رکھتے ہیں

عَلٰۤى اَنۡ نُّبَدِّلَ خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ

(یعنی) اس بات پر (قادر ہیں) کہ ان سے بہتر لوگ بدل لائیں

وَ مَانَحنُ بِمَسبُوقِینَ O

اور ہم عاجز نہیں ہیں

فَذَرهُم یَخُوضُوا وَ یَلعَبُوا

تو (اے پیغمبر) ان کو باطل میں پڑے رہنے اور کھیل لینے دو

حَتّٰی یُلٰقُوا یَومَهُمُ الَّذِی یُوعَدُونَ O

یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

وہ ان کے سامنے آ موجود ہو

یَومَ یَخرُجُونَ مِنَ الاَجدَاثِ سِرَاعًا

اس دن یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے

کَاَنَّهُم اِلٰی نُصُبٍ یُّوفِضُونَ O

جیسے کسی ہدف کی طرف دوڑے جاتے ہیں

خَاشِعَةً اَبصَارُهُم تَرهَقُهُم ذِلَّةٌ

ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ذلت ان پر چھا رہی ہو گی

ذٰلِكَ الیَومُ الَّذِی کَانُوا یُوعَدُونَ O

یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

☆ حکمت بالغہ کی جنوری 2012ء کی اشاعت قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔اس اشاعت کے ساتھ حکمت بالغہ کا جریدہ اپنی عمر کے چھٹے سال میں قدم رکھ رہا ہے۔حکمت بالغہ کی باقاعدہ اور بروقت اشاعت پر ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اس ذات حق نے ہمیں اس قابل بنائے رکھا کہ ہم اسلام کی اپنی اس حقیر سی کوشش کو جاری رکھ سکیں اور اسی ذات سے دُعا ہے (اور اُمید بھی ہے) کہ وہ ہمیں آنے والے سالوں میں بھی اپنے دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے گا اور ہماری ان مساعی کو شرف قبول بخشے گا اور ہم سب کی ان مساعی کو ہمارے لئے بھی اور قارئین کے لئے بھی توشۂ آخرت بنائے گا۔آمین

☆ 'الصلوٰۃ' پر ایک تحریر کا کافی عرصہ سے وعدہ تھا وہ الحمدللہ اب شامل اشاعت ہے۔

☆ 'صہیونیت ـــــ قرآن مجید کے آئینے میں' ـــــ کے عنوان سے جو سلسلہ جاری ہے اس کی ابھی دو اقساط باقی ہیں ان شاءاللہ ہماری کوشش ہوگی کہ وہ جلد قارئین تک پہنچ سکیں۔

☆ 'حکمت بالغہ' میں شائع شدہ کئی مضامین اور سلسلہ وار تحریروں کو اب الحمدللہ کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے تا کہ ہمارے قارئین جو حکمت بالغہ سے بعد میں متعارف ہوئے ہیں ان تک بھی سابقہ تحریریں پہنچ سکیں اور جو حضرات اب یا آئندہ اس جریدہ سے متعارف

ہوں گے ان تک بھی ان افکار کو پہنچایا جا سکے۔

اس سلسلے میں پہلی کتاب زیرِطبع ہے یہ کتاب ان مضامین پر مشتمل ہے جو 1910ء سے 2010ء کے سو سال میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی بیداری، حصول پاکستان اور آج تک کی جدوجہد کو محیط ہے اور جنوری تا نومبر 2010ء حکمت بالغہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ عنوان ہے

جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی بیداری کے

سو سال

جو تین عالمی صیہونی مغربی سپر طاقتوں کو

فنا کے گھاٹ اتارنے کا باعث بن گئے

اُمید ہے کہ قارئین اس کو پسند کریں گے اور یہ کتاب اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کو تازہ ولولہ اور جذبہ عطا کرے گی۔

☆ اس سلسلہ میں دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیام پاکستان کے درمیان کی 20 قد آور انقلابی شخصیات پر مشتمل ایک کتاب بھی تیاری کے مراحل میں ہے۔ صہیونیت _____ قرآن مجید کے آئینے میں اور بعض متفرق مضامین بھی کتابی صورت میں پیش کیے جانے کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس رُخ پر پیش قدمی ممکن ہو سکے گی۔

☆ علاماتِ قیامت پر سلسلہ مضامین میں دس علامات میں سے آٹھ علامات کی تفصیل آ گئی ہے۔ بقیہ حصہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جلد قارئین کو پیش کر دیں گے۔

☆ 'حکمت بالغہ' نے اب تک پانچ خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا ہے۔ جو یہ ہیں

☆ **حقیقت انسان نمبر** دسمبر 2007ء

☆ **حقیقت علم نمبر** اگست 2008ء

☆ **احیاء العلوم نمبر** مئی 2009ء

☆ **دو قومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم نمبر** دسمبر 2010ء

☆ **حقوقِ نسواں نمبر** جون 2011ء

اس سال بھی ان شاء اللہ ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کریں گے۔

☆ آئندہ جلد اللہ نے چاہا تو 'خلافت' کے موضوع پر ایک سلسلۂ مضامین کا آغاز کریں گے جن میں عصر حاضر میں نظامِ خلافت کے مختلف پہلو سامنے لانے کی کوشش کریں گے۔

☆ آخر میں دوبارہ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے توفیق بخشی اور اس جریدہ کے ذریعے کچھ خیر پھیلانے کا اہتمام ہوگیا اور دُعا ہے کہ وہ ہمیں آئندہ بھی اپنے دین کی خدمت میں لگائے رکھے۔ آمین

☆ قارئین کرام بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ وہ اس جریدے کا شوق سے مطالعہ کرتے ہیں اور مفید مشوروں سے ہمیں نوازتے رہتے ہیں بعض اُمور میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں پر ہمیں مطلع بھی کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو 'حق' کہنے 'حق' سننے اور 'حق' کو عام کرنے کی توفیق بخشے۔ 'حق' آج ہمارے درمیان قرآن مجید کی شکل میں ہے جو حضرت محمد ﷺ پر اترا اور صحابہ کرام ؓ کے ذریعے ہم تک پہنچا۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

آمین یارب العالمین

قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصطلاحات

نور ہدایت حیات وممات ارادہ صلوٰۃ

الصَّلٰوۃ

(حصہ اوّل)

انجینئر مختار فاروقی

حکمت بالغہ میں قرآن مجید کی مذکورہ بالا پانچ بنیادی اصطلاحات پر مضامین شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔جن میں سے 1 'نور'، 2 'ھدایت'،3 'حیات و ممات' اور 4 'ارادہ' کی اصطلاحات کی مختلف پہلوؤں سے اپنی بساط کے مطابق تشریح کی گئی تھی۔ایک طویل وقفہ کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لفظ "الصلوۃ" پر تحریر کا حصہ اول شامل اشاعت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب مبین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کماحقہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ارادہ)

عربی میں صلوٰۃ کا لفظ مختلف معنی میں آتا ہے اور ہماری مذہبی اصطلاحات میں بھی کم از کم دو معنیٰ تو بڑے معروف ہیں۔ایک ہے ارکان اسلام میں سے کلمہ اسلام کے بعد چار عبادات میں سے ایک عبادت یعنی نماز۔اردو اور فارسی میں نماز کے لفظ کے لئے ہماری دینی اصطلاح اور قرآن وحدیث میں وارد لفظ 'الصلوٰۃ' کا ہی ہے۔لفظ صلوٰۃ کا دوسرا استعمال قرآن پاک میں وارد اللہ تعالیٰ کے حکم

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO (56:33)

''اللہ تعالیٰ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر''

کی تعمیل کے طور پر آپ ﷺ پر بھیجا جانے والا درود پاک ہے۔ اس درود پاک کے لئے بھی ہماری دینی اصطلاح الصلوٰۃ ہے۔ صحیح تر الفاظ میں 'الصلوٰۃ علی النبی ﷺ' ہے۔ قرآن پاک میں چونکہ صلوٰۃ کے ساتھ حضرت محمد ﷺ پر سلام بھیجنے کا بھی حکم ہے لہٰذا آپ پر 'صلوٰۃ و سلام بھیجنا' ایک اہم فریضہ ہے جس کا التزام ہر مسلمان پر (بدرجہ ایمان) لازمی و لابدی ہے۔ ابن ماجہ رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

كان رسول الله ﷺ اذا دخل المسجد يقول **بسم الله و السلام على رسول الله اللّٰهم اغفر لى ذنوبى و افتح لى ابواب رحمتك** و اذا خرج قال **بسم الله و السلام على رسول الله اللّٰهم اغفرلى ذنوبى و افتح لى ابواك فضلك**

''اللہ کے رسول ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے: سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلتے تو کہتے: سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے''

حکمت بالغہ کی ان سطور میں ——— 'الصلوٰۃ' بمعنی نماز کے طور پر گفتگو کی گئی ہے۔ 'الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ' بھی نہایت اہم ہے، اس پر علیحدہ کسی وقت گفتگو ہوگی (ان شاء اللہ) بلکہ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے تو یہ موضوع ایک علیحدہ خصوصی اشاعت کا متقاضی ہے۔ اللهم وفقنا لماتحب و ترضى۔

01۔ الصلوٰۃ کے لغوی معنی

مفردات لالفاظ القرآن (راغب اصفہانی) میں ہے

الصلاة التى هى العبادة المخصوصة اصلها الدعا و سميت هذه العبادة بها كتسمية الشىء باسم بعض ما يتضمنه............ وقال

بعضهم: اصل الصلاة من الصِّلاَء، قال و معنی صَلَّی الرَّجُلُ ای ازال عن نفسه بھٰذه العبادة الصلاء الذی ھو نار اللّٰه الموقدة......

''الصلوٰۃ کا لفظ جو مخصوص عبادت کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا لغوی معنی 'دعا' ہے۔اس عبادت کو الصلوٰۃ (بمعنی دعا) کا نام دینا 'تسمیة الشیء باسم ما یتضمنه' کی قبیل سے ہے۔...........اور بعض (اہل لغت) کا کہنا ہے کہ 'الصلوٰۃ' صلاء (بمعنی آگ) سے ہے اور صَلَّی الرَّجُلُ کا معنی ہے''آدمی نے اس عبادت کے ذریعے اپنے آپ سے اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ کو زائل کر دیا''۔''

صاحب تدبر قرآن سورۃ البقرۃ کی آیت 3 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ'' کا لفظ اصل لغت میں کسی شے کی طرف متوجہ ہونے کے لیے آیا ہے۔پھر یہیں سے یہ لفظ رکوع کے معنی میں اور پھر تعظیم و تضرع اور دعا کے معنوں میں استعمال ہوا۔استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ عبادت کے معنی میں بہت قدیم ہے۔کلدانی میں دعا اور تضرع کے معنی میں اور عبرانی میں رکوع اور نماز کے معنی میں یہ استعمال ہوا ہے۔قرآن میں یہ لفظ اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت قرآن نے بھی کر دی ہے اور سنت نے بھی اس کی پوری وضاحت کی ہے۔علاوہ ازیں امت کے قولی و عملی تواتر نے اس کی شکل و ہیئت اور اس کے اوقات بالکل محفوظ رکھے ہیں۔اگر اس کے کسی جزو میں کوئی اختلاف ہے تو محض فروعی قسم کا ہے جس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا''

02۔ 'الصلوٰۃ' ......نماز

اردو میں نماز کا لفظ عربی لفظ 'الصلوٰۃ' کا بدل یا ترجمہ سمجھ لیں۔نماز کا لفظ فارسی میں پارسیوں کی عبادت کے طور پر استعمال ہوتا تھا وہیں سے عبادت کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے۔

اسلام میں 'الصلوٰۃ' کا لفظ ایک خاص طرز کی عبادت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس عبادت کے ظاہری ارکان میں قیام، رکوع، سجود، تشہد ہے۔رفع یدین کے ساتھ تکبیر سے اس کی ابتداء ہے اور سلام کے ساتھ اس کا اختتام۔اس کے باطنی ارکان میں سے توجہ الی اللہ

(CONCENTRATION) سب سے بنیادی رکن ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا ایک تنزیہی (ABSTRACT) تصوّر ہے اور اس طرح انسان کسی قسم کے گھٹیا خیالات سے بالاتر ہو کر اپنے خالق و مالک سے بے لوث تعلّق جوڑتا ہے۔ جس میں جنس، رشتہ، علائق دنیا وغیرہ کسی قسم کا کوئی جبلّی یا دنیاوی جذبہ آڑے نہیں آتا۔ اس طرح سے انسان کے تصوّرِ حُسن کو بے پناہ آسودگی حاصل ہوتی ہے اور 'روح' کی عفّت کے ساتھ خیالات کی پاکیزگی کا بھی تجربہ اور مشق ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں دن میں پانچ دفعہ فرض نماز اور اس کی کئی رکعتیں ہیں، پھر اضافی نمازوں کا تصوّر یعنی رات میں تہجد کی نماز اس توجہ الی اللہ (CONCENTRATION) اور دنیا (ریا، حبّ جاہ، حبّ مال) سے دوری کے خیالات کی معراج کا نام ہے۔ خالق و مالک اور رب اور اللہ کے قریب ہونے کا یہ عمل (اور مشق) روزانہ کی بنیاد پر کرنا انسان کو حقیقی 'عبد' بنا دیتا ہے یعنی مطیع و فرمانبردار اور ہر وقت ہر حکم ماننے والا۔

04۔ عبدیت کے درجات

اس کائنات میں ایک باشعور انسان فطری طور پر اپنی حدود و قیود اور ذمّہ داریوں کا احساس رکھتا ہے۔ فطرت میں ضمیر، عقل، شعور اور شعورِ ذات جیسے گوہر خلقی طور پر ودیعت شدہ ہیں جس کی روشنی میں انسان اپنے لئے ایک اخلاقی نظام، انسانی اقدار، انسان دوست سماجی، معاشی اور سیاسی ماحول تخلیق کرنے کا اہل بھی ہے اور انسانی تعلقات سے ایک فطری اخلاقی نظام کا پابند بھی۔

اس پس منظر میں جب انسان چند بنیادی حقائق کا برملا اعتراف و اعلان بھی کرنے کی جرأت کر لیتا ہے تو انسان ظلم اور بے انصافی کی ظلمتوں سے روشنی میں آجاتا ہے۔ رب مالک خالق اللہ تعالیٰ پر ایمان، آسمانی ہدایت اور وحی پر یقین، پیغمبروں پر یقین، مرنے کے بعد حیات اخروی و جاودانی پر یقین، انسان کے اندر ایک ایسا جذبہ عمل اور شعورِ منزل پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان ہر وقت چوکس و چوکنا اور مصروف عمل رہتا ہے، متحرک رہتا ہے۔ بامقصد حرکت سے ہی تحریک ہے اور اسی سے حیات کا عمل جاری رہتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام جہد مسلسل اور جہاد ہے۔

اوپر درج ساری ذہنی، فکری، نظریاتی، عملی پیش رفت کو ہر دم تازہ رکھنے والی چیز 'الصلٰوۃ' ہے۔ انسان خود ایمان کے جس درجے پر ہے وہ ایمانی حقائق کو بھی اسی زاویے سے

دیکھتا ہے یا بالفاظ دیگر انسان ایمان کے جس درجے پر ہے اپنے اعمال بالخصوص نماز کو بھی اسی نظر سے پرکھتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نماز اچھی ہے تو ایمانی کیفیات بہتر ہوں گی اور نماز میں خرابی ہے تو ایمانی کیفیات میں کوئی کمزوری یا کمی ہے۔

'الصلوٰۃ' صرف خانہ پُری اور مارے باندھے کی بھی ہو تو انسان مخلوق کی سطح سے اٹھ کر قرآنی اصطلاح 'یعبادی' کا مخاطب بننے کا اہل ہو جاتا ہے۔ 'الصلوٰۃ' میں مزید نکھار آجائے تو انسان سورۃ الفرقان میں مذکور 'عباد الرحمٰن' کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور 'الصلوٰۃ' کا درجہ انتہائی اعلیٰ ہو جائے تو انسان 'مخلَص' بندوں میں شمار ہونے کا اہل بن جاتا ہے۔ جیسے کہ سورۃ صٓ میں قصۂ آدم علیہ السلام و ابلیس کے بیان میں ہے جب شیطان نے اولادِ آدم کو ورغلانے کے لئے مہلت مانگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کو چیلنج کر دیا کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کر کے ثابت کر دوں گا کہ وہ میرے مقابلے میں خلافت ارضی کا اہل نہیں تھا سوائے تھوڑے سے تیرے چنے ہوئے بندوں کے۔ قرآن پاک میں الفاظ یوں وارد ہیں

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ O إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ O (83-82--38)

''شیطان نے کہا (اے اللہ) مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکا دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے''

05۔ 'الصلوٰۃ' سے اقامت الصلوٰۃ

سچے ایمان کے ساتھ خلوص ہو اور ذاتی 'الصلوٰۃ' صحیح رخ پر ہو تو 'الصلوٰۃ' سے اقامت الصلوٰۃ کا تقاضا جنم لیتا ہے۔ ایک ہے خود نماز پڑھنا اور باقاعدگی سے 'الصلوٰۃ' کے لئے اہتمام کرنا اور پابندی وقت کے ساتھ پر اس کو ادا کرنا اور 'الصلوٰۃ' کی حقیقت 'توجہ الی اللہ' پر نظر رکھنا۔ یہی چیز آخرت میں انسان کے کام آئے گی اور دنیا میں بھی صحیح راستے پر زندگی بسر کرنے کا یہی طریقہ ہے اور یہی 'فکر' ہے جو انسان کو اس راہ پر گامزن رکھتی ہے۔ مگر عام حالات میں ایک بگڑے ہوئے ماحول میں بہت کم لوگ ہیں جو اپنے دھندوں سے فرصت نکال کر 'الصلوٰۃ' کا اوپر درج حقیقی مفہوم میں اہتمام کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ مشرکانہ ماحول، ظالمانہ معاشرہ اور استحصالی

نظام میں عام انسان تو ڈھور ڈنگروں کی طرح رزق کمانے کی سعی میں جت کر ہی دو وقت کی روٹی پیدا کرتے ہیں، اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ خیالات، نظریات اور معرفت خداوندی کا حصول اور 'الصلوٰۃ' کا اہتمام جیسی روحانی ضرورت کی ناگزیر چیزیں بھی مستحضر نہیں رہ سکتیں اور نہ وہ اس کے لئے تگ و دو کرنے کا وقت نکال سکتے ہیں۔ اپنے حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود بے جان سا رہتا ہے اور اکثر انسانوں کی کیفیت اس شعر کے مصداق ہوتی ہے

؎ دنیا کی یاد نے 'تجھ' سے بیگانہ کردیا
'تجھ' سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اگرچہ دنیاوی زندگی کا حقیقی تقاضا تو یہی ہے کہ دنیا میں رہ کر ان سب علائق دنیاوی کے ساتھ حقوق العباد ادا کرتے ہوئے حقوق اللہ بھی ادا کیے جائیں مگر انسانوں کی اکثریت اس راہ حق کو چھوڑ کر صرف دنیا پرستی میں مبتلا رہتی ہے۔

؎ چیست دنیا ؟ از خدا غافل شدن
نیست دنیا نقرہ و فرزند و زن

اگر ذاتی سطح پر صحیح فکر کے ساتھ صحیح طرز عمل ہو تو ـــــــ 'الصلوٰۃ' (ذاتی نماز) سے اقامت الصلوٰۃ کی طرف کا سفر ناگزیر ہے یعنی اپنی نماز کو صحیح کرنے اور صحیح طریقے پر ادائیگی کے بعد بنی نوع انسان کے دیگر افراد کے لئے بھی ایسا ماحول پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کہ کسی علاقے کے تمام لوگوں کے لئے ایسا اجتماعی ماحول فراہم ہو جائے کہ اقامۃ الصلوٰۃ یا اپنے رب سے لو لگانے کے جذبات اور جستجوئے حسن کا فطری جذبہ صحیح انداز میں تسکین پا سکے یعنی جستجوئے حسن کا یہ جذبہ بیدار ہو کر معرفت خداوندی حاصل کر سکے۔

سیاسی نظام ـــــــ مساوات انسانی پر قائم ہو ـــــــ استحصالی، جابرانہ، استعماری نظام نہ ہو ـــــــ معیشت میں ہر شخص کے لئے رزق کے مواقع ہوں۔ حصول دولت کے ناجائز ذرائع از قسم سود، رشوت، جوا، چوری، ڈاکہ، کم تولنا، وغیرہ کے راستے مسدود کر دیے گئے ہوں اور حلال روزی کے حصول کے راستے ہر شخص کے لئے کھلے ہوں، سماجی سطح پر کسی قسم کی اونچ نیچ نہ ہو،

غلامی نہ ہو، رنگ، نسل، ذات، برادری، روپیہ کی بنیاد پر کوئی عزت وذلت کا احساس نہ ہو، عورت کی عزت محفوظ ہو، امن امان ہو، مرد وعورت کے فطری تقاضوں کے لئے چادر اور چار دیواری یعنی پردے اور (تخلیہ کے لیے) مکان کا اہتمام ہو، بے حیائی اور بدکرداری کا سد باب ہو اور ہر خاندان کے لئے گھر میسّر ہو ـــــــــ یہ اقامۃ الصلوٰۃ کے تقاضے ہیں۔اس کے پہلے قدم کے طور پر ہر مسجد کا نظام ہے اور نماز با جماعت کا اہتمام ہے۔مسجد کی بنیاد پر بھائی چارہ ہے اور اجتماعی شعور کی بیداری کا کام مسجد میں پنج وقتہ میل ملاپ سے ہی شروع ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔ اس اجتماعی شعور کا فقدان ہو تو 'الصلوٰۃ' اور ظاہری اقامت الصلوٰۃ کے اہتمام سے بھی یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا اگر ایسا ہو اور اجتماعی شعور پیدا نہ کیا جاسکے تو سمجھ لیجئے کہ معاملات صحیح رخ پر آگے نہیں بڑھ رہے۔آج کے ماحول میں مسجدیں آباد ہیں مگر ہماری نمازیں بے جان ہیں اور وہ اجتماعی شعور کہیں پنپتا نظر نہیں آرہا جو ہم مقصد لوگوں کے اجتماع سے پیدا ہونا اجتماعیت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

06۔ 'الصلوٰۃ' ......سیرت النبی ﷺ میں

سلسلہ نبوت ورسالت کی آخری کڑی نبی آخرالزّمان حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو مکہ میں کعبۃ اللہ کے گرد قریش کا حصار تھا اور عرب میں قریش کے زیر اثر قبائل دین ابراہیمی علیہ السلام کے معتقد اور ماننے والے تھے۔قریش کو مذہبی وسیاسی سیادت حاصل تھی مگر نماز کا حقیقی تصور واضح نہیں تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چوبیس پچیس صدیاں گزر گئی تھیں اور ان کی تعلیمات کا مزاج اتنا بگڑ گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین توحید کو کعبہ کے مجاوروں نے عین کعبۃ اللہ میں ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔توحید کے اس گھر میں پیغمبروں کے ماننے والوں نے شرک کی بنیاد رکھ دی تھی، 360 بت نصب تھے اور فکر کی کجی کا یہ عالم تھا کہ سمجھتے تھے کہ کچھ بھی نہیں بگڑا، ہم بس دین توحید پر ہیں اور دین ابراہیمی علیہ السلام کے عین مطابق ہیں۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آخری وحی عطا فرمائی اور قیامت تک کے لئے 'الصلوٰۃ' کے حقیقی تقاضوں کا شعور بخشا۔'الصلوٰۃ' کی شکل ـــــــــ مکہ میں موجود تصورات سے آگے بڑھتے بڑھتے 11 سال بعد جب معراج میں نماز فرض ہوئی تو 'الصلوٰۃ' کا

ایک معین ڈھانچہ موجود تھا اور ایک جماعت اس پر عمل پیرا تھی۔ اس سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حقیقی تصورِ صلوٰۃ سے بات آگے بڑھا کر اور انبیائے بنی اسرائیل کی آسمانی تعلیمات کے ساتھ ملا کر 'الصلوٰۃ' کی مطلوبہ شکل سامنے لائی گئی تھی۔ جب 'الصلوٰۃ' فرض ہوئی ـــــــ تو یہ سوال نہیں سامنے آیا کہ نماز کسے کہتے ہیں؟ یا نماز کیسے پڑھنی ہے بلکہ صرف یہ سوال تھا کہ پانچ نمازیں فرض ہوئی ہیں تو ان کے اوقات کیا ہوں گے؟ ان کی رکعتیں کیا ہوں گی؟ ان سوالات کے جوابات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد ہی لوگوں کے سامنے رکھ دیے اور یوں 'الصلوٰۃ' کی حقیقی حسین شکل سامنے آ گئی۔ ہجرت کے قبل یا ہجرت کے فوراً بعد جمعہ کی نماز 'صلوٰۃ الجمعۃ' فرض ہو گئی تو ہفتہ میں ایک بڑی اجتماعی نماز کا اہتمام ہو گیا۔ 02ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو اس کے ساتھ عید کی نماز 'صلوٰۃ العید' کے عنوان سے جمعہ سے بھی بڑی 'الصلوٰۃ' کی شکل سامنے آ گئی۔ اس اقامت الصلوٰۃ کے تصور کے ساتھ جب تحویل قبلہ ہو گیا اور جہاد کا غلغلہ برپا ہوا تو فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا تا آنکہ مکہ فتح ہو گیا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ کی عملی صورت اہل عرب کے سامنے تھی ـــــــ اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم مزید نکھر کر سامنے آ گیا۔ حج فرض ہوا تو حج کے لئے میدان عرفہ میں جمع ہونے سے حج کے تصوّرات سامنے آئے اور مسلمانوں کے ایک عالمی اور بین الاقوامی اجتماع کا تصور ابھر آیا۔ اب تو سال بھر عمرہ کے اجتماعات اور رمضان المبارک کی ساعتوں میں حرمین شریفین میں اقامت الصلوٰۃ کے روح پرور مناظر اسلام کی عالمگیریت اور اسلامی بھائی چارے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقامت الصلوٰۃ کے لئے نماز کا تصور بھی واضح ہے اس کی تفاصیل بھی واضح ہیں۔ چند معمولی اختلافات کے علاوہ نماز کے بارے میں 95% سے زیادہ چیزوں پر امت کا اتفاق ہے اور آج بھی مسلمان بیت اللہ اور مسجد نبوی ؐ میں سب مسالک کے لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور ذرا سی وسعت قلبی ہو تو واپس گھروں کو لوٹ جانے پر اپنے اپنے علاقوں میں بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر ذاتی اغراض، مفادات، ضد، جھوٹی اَنا اور بغیًا بینھم کی سوچ آڑے آ جاتی ہے جس سے اتحادِ امت کا سہانا خواب بکھرا ہوا ہے۔

07۔ 'الصلوٰۃ' ـــــــ کی تاریخ

تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ

روئے ارضی پر انسان حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے آباد ہے مگر چار پانچ ہزار سال قبل انسان مادی ترقی اور تجرباتی علوم کے اعتبار سے ابتدائی درجے میں تھے انسانیت ابھی عہد طفولیت میں تھی اور تمدنی علوم اور تجرباتی علوم ابھی ناپختہ تھے محکم عقلی بنیادوں پر معین شعبوں میں تقسیم ہو کر موجودہ شکل میں سامنے نہیں آئے تھے۔ اس تاریخی تسلسل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ درمیان میں ہے اس طرح یہ دور سابقہ دور اور موجودہ ترقی یافتہ دور کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ اکثر اس دور کو دور جدید کا آغاز یا DAWN OF HISTORY کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کے زمانے کو زمانہ قبل از تاریخ اور بعد کے زمانے کو تاریخی طور پر معلوم و مشہود سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل کا زمانہ ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے کئی امتحانوں میں ڈالا اور ممتحن خود فرماتا ہے کہ وہ ہر امتحان میں کامیاب رہے اگرچہ کعبہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں مگر اس کی آبادی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے دیے تھے۔ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کو انہوں نے کعبۃ اللہ کے پاس بے آب و گیاہ وادی میں آباد کیا تھا جس کے بعد چاہ زمزم جاری ہوا اور آبادی ہوگئی اور یوں مکہ شہر کی داغ بیل پڑ گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں آباد کیا تھا۔ ان کی اولاد میں آنے والے 2000 سال میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے۔ تورات، زبور اور انجیل جیسی کتابیں عطا ہوئیں مگر اس شاخ میں حضرت یعقوب علیہ السلام (اسرائیل کے لقب والے) کی اولاد میں کچھ ایسے ناہنجار لوگ اٹھے جو بنی اسرائیل کے لقب سے مشہور ہوئے مگر وہ خدا بیزار، خدا ناشناس رویّوں میں پختہ ہو گئے تھے۔ وحی دشمنی اور آسمانی ہدایت کو ختم کرنے میں مشّاق اور ماہر بن گئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر دینا ان کا مشغلہ بن گیا، آسمانی کتابیں غائب کر دیں، ہزاروں انبیاء کرام کو قتل کر دیا، نہ ہدایت ہوگی نہ ہدایت کی طرف بلانے والے ہوں گے، نہ ہمیں کوئی غلط کاموں پر ٹوکنے والا ہوگا۔ اس شاخ میں آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے ان کے ساتھ بھی بنی اسرائیل کا رویہ معاندانہ اور دشمنی کا ہی رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وارد شدہ امتحانوں میں کامیابی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی انعامات

سے نوازا تھا۔ مکہ میں کعبۃ اللہ کی تعمیر اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے بعد سارے نبی علیہ السلام انہیں کی اولاد میں بھیجنے اور کتابوں کا سلسلہ بھی انہیں کی اولاد تک محدود رکھنے کا انعام بھی دیا تھا۔ تاکہ ایک انسانی گروہ 'امت مسلمہ' بن کر اٹھے اس کی اٹھان اور تربیت ایسی ہو کہ وہ ــــــــ حزب اللہ بن سکے اور دنیا میں جہاد وقتال کے مراحل سنبھال سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء کا ذکر بھی قرآن پاک میں ہے مگر ان کے ساتھ 'الصلوٰۃ' کا تذکرہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں 'الصلوٰۃ' کا لفظ نہیں آیا۔ پہلی دفعہ یہ اصطلاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل کے پیدائش کے بعد یہ حکم آنے پر کہ آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ (حضرت ہاجرہ سلام علیہا) کو کعبۃ اللہ کے بے آباد جوار میں چھوڑ آئیں جس پر اس مردِ حق علیہ السلام نے دل میں صبر کر کے حرف بحرف عمل کر دیا اور محدود سامان خورد ونوش کے ساتھ وہاں چھوڑ آئے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ O (14-37)

''اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا کر بسائی ہے۔ اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں''

دوسرے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا آئی ہے

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَاءِO رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُO (14--41,40)

''اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز قائم کرتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے پروردگار میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار حساب (کتاب) کے دن میری اور میرے ماں باپ کی اور تمام ایمان والوں کی مغفرت فرما''

تاریخ انسانی میں یہاں پہلی دفعہ لفظ 'الصلٰوۃ' آیا ہے۔گویا 'الصلوٰۃ' کا ایک رشتہ اور تعلق اللہ کے گھر سے بھی ہے کہ اس کے بغیر 'الصلٰوۃ' کا تصور ادھورا ہے۔

08۔پہلی دفعہ 'الصلٰوۃ' کا حکم

پہلی دفعہ 'الصلٰوۃ' کا حکم آنے پر 'الصلٰوۃ' کا کیا تصور تھا وہ اہل مکہ میں موجود تھا وہاں طواف کعبہ کو 'الصلٰوۃ' کہا جاتا تھا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور مبارک میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق 'الصلٰوۃ' میں طواف کے دوران تسبیح و تہلیل اور تلبیہ ہو گا مگر اہل مکہ نے مرور زمانہ (2500 سال) کے ساتھ اس میں بدعات کو داخل کر دیا اور اصل دین میں جو طواف کی تفاصیل تھیں وہ بدل دیں چنانچہ نزول قرآن مجید کے وقت قریش کس طرح کا طواف کرتے تھے (وہ کعبہ کے مجاور تھے ان کی اتباع میں مکہ سے باہر کے لوگ بھی ایسے ہی کرتے ہوں گے)

وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَة (08-35)

''ان لوگوں کی صلوٰۃ خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی''

گویا 'الصلٰوۃ' کی اصلی شکل طواف کعبہ ہی تھی اور اس سے بھی مراد اللہ کے گھر میں موجودگی کی وجہ سے توجہ الی اللہ اور خالق و مالک کے تنزیہی تصور (ABSTRACT) کے ساتھ اس کے سامنے اپنی حاضری کا احساس اور اللہ کی محبت میں بے خودی کے عالم میں کعبۃ اللہ کے گرد طواف۔چنانچہ اسی طرح کی بات طواف کعبہ کی اہمیت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہے

الطواف صلاۃ فاقلّوا فیه الکلام (الجامع الصغیر بحواله طبرانی عن ابن عباس)

''طواف نماز ہے لہٰذا اس میں بات کم کرو''

الطواف بالبیت صلاۃ ولکن الله احل فیه المنطق فمن نطق فلا ینطق الا بخیر (ایضًا)

''بیت اللہ کا طواف نماز ہے لیکن اللہ نے اس میں بات کرنے کو حلال رکھا ہے لہٰذا جو بات کرے اسے چاہیے کہ بھلی بات کرے''

الصلٰوۃ اور الطّواف میں مشابہت کے بارے میں ایک اور حدیث پاک میں یوں الفاظ ہیں

الطواف حول البيت مثل الصلاة الا انكم تتكلمون فيه فمن تكلم فيه فلايتكلم الا بخير (الجامع الصغير بحواله الترمذی عن ابن عباس)

''بیت اللہ کے گرد طواف کرنا نماز کی طرح ہے مگر یہ کہ تم طواف میں بات کر سکتے ہو، لہٰذا تم میں سے جو کوئی طواف کے دوران بات کرے وہ بھلی بات کے علاوہ کوئی بات نہ کرے''

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطابق جسے قرآن پاک کے الفاظ میں لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ فرمایا گیا ہے وہ بھی اس گھر کا طواف ہی تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات بھی یہی ہوں گی جس کی ایک شکل طواف کی موجود تھیں۔ مگر باطن (طواف کے دوران اذکار وتلبیہ) بدل چکا تھا اور داخلی کیفیات بھی غائب ہوگئی تھی۔ یقیناً 'الصلوٰۃ' سے مراد 'طواف' ہی ہوگا۔ جب حضرت اسماعیل نے اپنی امت کو بیت اللہ کے آداب سکھائے ہوں گے اور گھر والوں کو الصلوٰۃ کی تاکید کرتے ہوں گے۔ قرآن پاک میں الفاظ یوں وارد ہیں

وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَکَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّاO وَ کَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا O (55-54-19)

''اور کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو، وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ (طواف) اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے''

یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ماقبل اور مابعد دوسرے پیغمبروں کا بھی ذکر ہے۔ مگر ان کے بارے میں الصلوٰۃ کا کوئی اشارہ نہیں۔ چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

وَ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَکُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّاO وَ وَہَبۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ جَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّاO (19-49-50)

''ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا اور ان کو اپنی

رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اوران کا ذکرِجمیل بلند کیا‘‘

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا O وَ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا O (19-56-57)

’’اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو۔ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا‘‘

گویا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں تعمیر کعبہ اور مکہ شہر کی آبادی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کرو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ الصلوٰۃ یعنی طواف کا اہتمام کرو۔ رکوع اور سجدہ علیحدہ عبادات تھیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھا مگر آسمانی ہدایت سے روگردانی کر کے خدائی کے دعویدار بادشاہ دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے جھکنے اور سجدہ کرنے کا حکم کرتے تھے۔ اصل حاکم اور رب تو اللہ ہے اسی کے سامنے جھکنا اور سجدہ روا ہے یہی اشارہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے تعمیر کعبہ کے وقت اس فرمان خداوندی کا ہے

وَ عَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِO(02-125)

’’اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو‘‘

یعنی یہ گھر تعمیر ہی اسی لئے کیا جارہا تھا کہ اس میں الصلوٰۃ یعنی طواف کے علاوہ رکوع و سجود اور اعتکاف بھی ہو۔ اعتکاف اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا سے کٹ کر بیٹھ رہنے کا نام تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی مشرک قوم کے ذکر میں آیا ہے۔

09۔صلوٰۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں

دوسری دفعہ تاریخی اعتبار سے الصلوٰۃ کا تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں اس وقت ہے جب آپ کو تورات عطا ہوئی اور آپ نے کم وبیش 18 سال فرعون اور اس کی قوم کو

دعوت حق دینے میں صرف کئے۔ پے بہ پے 9 معجزے دکھائے گئے مگر وہ قوم کسی طور پر ٹس سے مس نہ ہوئی۔ [حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (حضرت محمد ﷺ کی طرح) دو بعثتیں تھیں۔ ایک بنی اسرائیل کی طرف کہ ان کو راہ راست پر لائیں، بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور ان کو فرعون کی غلامی سے آزادی دلوائیں اور دوسری بعثت فرعون اور اس کی قوم کی طرف تھی۔ کہا جا سکتا ہے بطور نبی علیہ السلام آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور بطور رسول فرعون اور اس کی قوم کی طرف آپ علیہ السلام کی بعثت تھی۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنے پر عذابِ استیصال سے دوچار ہوگئی۔ فرعون اور اس کی قوم کے تمام اہم افراد اور فوج سب کے سب غرق ہوگئے۔ جبکہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ ناراض تو ہوئے اور سزا بھی آئی مگر کوئی عذاب نہیں آیا۔]

جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر اللہ کے حکم سے اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کو عارضی طور پر کسی خیمہ بستی میں آباد کیا اس زمانے تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں (حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسلوں میں) صرف کعبۃ اللہ کا بطور کعبہ تذکرہ موجود تھا تاریخ میں امکانی حد تک اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا تو قیامِ مدین کے دوران یا مصر سے نکلنے کے بعد صحرائے سینا میں قوم کے ساتھ چالیس سالہ دور صحرا نوردی گزارنے کے دوران کعبۃ اللہ حاضر ہوئے تھے اس لئے کہ ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بڑے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تعمیر کردہ دنیا میں اس وقت تک ایک ہی گھر تھا جو بندگی رب کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے لئے وقف تھا۔ کیونکہ شرک کے اڈوں کے طور پر بتوں کی پوجا پاٹ کے لئے معبد تو خدائی کے دعویدار بادشاہوں نے بڑے شاندار بنائے' وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی بہت تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بھی بہت تعمیر ہوئے۔ مگر اللہ کا گھر (بیت اللہ) سادگی سے تعمیر شدہ یہ منفرد گھر ایک ہی تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خاص موقع پر (جبکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جلیل القدر پیغمبر کے ماننے والے ایک جگہ جمع ہو کر بستی بسا رہے تھے) دین ابراہیمی کے اہم رکن الصلوٰۃ کا ایک تصور دینا لازمی تھا۔ تاریخ انبیاء علیہم السلام میں ایک طرف تمام انبیاء کی تعلیم میں توحید کا

اشتراک ہے اور دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے لیکن اس کے پہلو بہ پہلو دین کا ایک حرکی تصور (DYNAMIC CONCEPT) بھی موجود ہے کہ وقت کے ساتھ نئے پیغمبر تشریف لاتے رہے اور تجرباتی علوم کی ترقی اور مادی وسائل کی فراہمی کے معیار کے مطابق عملی ہدایات اور نئی شریعت بھی اتاری جاتی رہی اور تفصیلی احکام بھی بدلتے رہے۔

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ صورتحال پیش آئی کہ اللہ کا گھر بیت اللہ ہے جو مکہ میں ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے وہاں سے بیت اللہ سینکڑوں میل دور ہے۔ 1300 ق م میں اس طرح کے آلات نہیں تھے کہ مکہ سے دور دراز کے علاقوں میں قبلہ کی سمت معلوم کی جاسکے اور آج کی طرح کا الصلوٰۃ (نماز) کا تصور ممکن ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو جمع کر چکے تو ان کی تربیت کے لحاظ سے اللہ کی بندگی اور عبادت کا خیال دامن گیر ہوا اور ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ آسان کر دیا اور حالات کی ضرورت کے عین مطابق روح دین کو برقرار رکھنے کے لئے یہ احکام اتار دیے۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَ اَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّ اجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (10-87)

''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (علیہما السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھیراؤ اور نماز پڑھو اور مومنوں کو خوشخبری سنادو''

مراد یہ ہے کہ اپنی قوم کے لئے بستی بساؤ، اس میں ایک گھر 'عبادت گاہ' یا قربان گاہ بناؤ اور بستی کے باقی گھروں کا رخ اسی 'عبادت گاہ' کی طرف کر کے بناؤ اور نماز قائم کرو۔ اس طرح شریعت موسوی میں بھی اقامت الصلوٰۃ کا حکم جاری ہوگیا۔

یہاں الصلوٰۃ کا لفظ بمعنی طواف سے آگے بڑھ کر وسعت اختیار کر گیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات میں الصلوٰۃ کے مفہوم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ الصلوٰۃ کی طرف ایک قدم آگے کی طرف تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس وحی میں وارد ہوا ہے۔

10۔ بنی اسرائیل میں قربان گاہ کا تصور

بنی اسرائیل میں نماز کے لئے کسی 'قبلہ' اور مرکز کا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی آ گیا تھا۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور وہ 'مکہ' کا سفر کر کے (ایک روایت کے مطابق) اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ اللہ تعالیٰ کے گھر 'بیت اللہ' کی زیارت کر چکے تھے اور اس گھر کی اہمیت ان پر عیاں تھی۔ لیکن صحرائے سینا کی صحرانوردی اور اس کے بعد کے 300 سال جس میں وہ اکثر و بیشتر خانہ جنگی میں گھرے رہے ـــــــــ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ چند اہل علم جانتے بھی تھے کہ بنی اسرائیل کا شریر عنصر ان کی بات کو عام نہیں ہونے دیتا تھا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ میں جب حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت قائم ہوئی اور بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی جو حضرت سلیمان کے شاندار دور سمیت ایک صدی تک چھائی رہی۔ اس پرسکون دور میں بنی اسرائیل کو اپنے خیالات و نظریات کے مطابق زندگی گزارنے کا موقع ملا۔ وہ شریعت موسوی جس کو بھلا چکے تھے اس پر عمل پیرا ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا ہوئی جس سے اُن میں جذبۂ عمل بیدار ہوا۔ (زبور ـــــــــ اللہ تعالیٰ کی حمد کے نغموں کا مجموعہ ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام اپنی پرسوز اور سریلی آواز میں گاتے تھے اور لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس کے اتباع میں ایسا ہی کرتے ہوں گے۔)

حضرت داؤد علیہ السلام نے فلسطین میں ایک عبادت گاہ تعمیر کی جو بنی اسرائیل کا مرکز اور قبلہ قرار پایا تاکہ وہ اس کے آس پاس جہاں کہیں بھی ہوں اسی کی طرف منہ کر کے 'صلوٰۃ' ادا کریں۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل ایک نسل تھی اور بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام قرآن مجید کے بیان کے مطابق عمومی نوع انسانی کی طرح مبعوث نہیں ہوتے تھے۔ (آج مسیحیت ایک تبلیغی مشن بن کر ساری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے یہ اسلام دشمنی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اور مکمل نبوت اور قرآن مجید کی دشمنی کی وجہ سے سوچی سمجھی کوشش ہے) لہٰذا یہ قوم ایک مخصوص علاقے میں ہی آباد تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں آخری نبی ہیں وہ بھی صرف بنی اسرائیل کی طرف

رسول تھے (03-49) ان کے آنے سے قبل تک یہی عبادت گاہ............ جسے حضرت داوٗد علیہ السلام نے شروع کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دور میں (وہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی) شاندار طریقے پر 'ہیکل' میں بدل دیا تھا (ہیکل کے معنی ایک بڑی عمارت کے ہیں جس طرح کعبہ کے معنی ایک مکعب نما عمارت کے ہیں) اس ہیکل کو ہیکل سلیمانی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد دورِ زوال میں جب عراق کے نمرود بادشاہ بخت نصر نے 567 ق م میں بنی اسرائیل پر حملہ کیا تو بیت المقدس گرا دیا گیا۔ ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد جب بنی اسرائیل رہا ہوئے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے قوم بیدار ہوئی ان میں جذبہ عمل اور شوق جہاد پیدا ہوا جس سے دوبارہ بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہوگئی۔ یہ مکابی دور ہے یہ دور کوئی دو سو سال کے لگ بھگ ہے۔ اس دور میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر ثانی ہوئی اور بہت شاندار طریقے پر پھر تعمیر کر لیا گیا۔ دوسرے دور زوال میں پھر یورپ سے کئی حملہ آور آئے بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار اور ان کو مصلوب کرا دینے کی کوششوں کی وجہ سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا یورپی فاتح ٹائٹس (TITUS) نے 70ء میں حملہ کیا بیت المقدس (ہیکل) مسمار کر دیا گیا، بے شمار لوگ قتل ہوئے، یہود کو جلاوطن کر دیا گیا۔ یہود دنیا میں 2000 سال تک دربدر پھرتے رہے یہاں تک کہ 1948ء میں دوبارہ غاصبانہ طریقے پر اُنہوں نے اسرائیل کی ریاست قائم کر لی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں اور دوسرے بنی اسرائیل (یہود) میں عداوت پیدا ہوگئی جو وقت کے ساتھ گہری ہوتی چلی گئی۔ بیت المقدس ایک جگہ تھی مگر یہ 70ء میں گرا دیا تھا اس کے کھنڈرات تھے یہود وہاں جا بھی نہیں سکتے تھے۔

یہود کے نزدیک اس ہیکل کا مقدّس مقام ــــــــ ایک دیوار تھی جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا، اصلی شکل میں قائم تھی لہٰذا اُنہوں نے اُسے اپنا قبلہ بنا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے اس گرے ہوئے ہیکل کے مشرق میں ایک بڑا گرجا ــــــــ سنہری گرجا تھا جس طرف حضرت مریم سلام علیہا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ) رہا کرتی تھیں اس نسبت سے ہیکل کی مشرقی جانب کو اپنا قبلہ بنا لیا اور وہ آج تک اس بات پر قائم ہیں۔

مگر ــــــــ یہ ایک تاریخ کا روشن باب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک

انسانی تجرباتی علوم نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ عیسائیت جب فلسطین سے باہر نکلی اور دور دراز علاقوں میں پھیلی پھر 300ء کے لگ بھگ رومی بادشاہ قسطنطین (CONSTANTINE) نے اپنی رعایا سمیت عیسائیت قبول کر لی تو اس وسیع سلطنت میں قبلہ رُخ ہو کر عبادت کرنا مسئلہ بن گیا۔ ریاضیاتی علوم (جیومیٹری وغیرہ کے علوم) اتنے وسعت پذیر نہیں ہوئے تھے لہٰذا فلسطین کے بیت المقدس سے دور اس گھر کی طرف منہ کر کے 'قبلہ' رو ہو کر عبادت کرنا ممکن نہیں تھا اُنہوں نے طفلانہ طور پر بیت المقدس کے مشرقی حصہ کی برکت کی وجہ سے مطلقاً مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا اور یہود نے مغربی حصہ (ایک دیوار) کی برکت کی وجہ سے مطلقاً مغرب کو اپنا قبلہ بنالیا۔ اب عیسائیوں کے گرجا گھر (CHURCHES) جہاں بنتے ہیں مشرق مغرب کے رُخ بنتے ہیں جس میں وہ مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت (SUNDAY PRAYER) کرتے ہیں جبکہ یہودی عبادت گاہیں (SYNAGOGS) جہاں کہیں بنتی ہیں وہ مغرب کی طرف منہ کر کے بنائے جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا اختیار کردہ طریقہ بڑا مہمل اور طفلانہ ہی تھا اسی کے ساتھ یہ طرزِ عمل یہ شہادت بھی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور آسمانی ہدایت تو کامل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ انسانوں کو 'تکلیف مالا یطاق' (ایسی تکلیف جس کی طاقت نہ ہو) نہیں دیتا۔ لہٰذا یہودیت ونصرانیت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کا دین تھا جو گزر گئے ــــــــــ اُن کے بعد تشریف لائے تھے حضرت محمد ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور ان پر اُتری ہوئی ہدایت مکمل تھی کامل تھی اور ختم نبوت کی وجہ سے اب وہی ہدایت رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے کفایت کرنے والی تھی۔ (جاری ہے)

تقرّبِ الٰہی کے مدارج وذرائع

انجینئر مختار فاروقی

تقرّب الٰہی ایک دینی اصطلاح ہے۔ تَقَرُّب کا لفظ قُرُب سے بنا ہے۔اس مادے سے کئی الفاظ عام استعمال میں آتے ہیں قرب سے قُربَان ہے جس کا معنی ہے ''ہر وہ عمل یا چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ تقرّب حاصل کیا جائے، چاہے وہ ذبیحہ ہو یا کوئی اور چیز''۔ اردو میں قربانی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔قرب سے باب تفعیل میں تَقرِیب کا لفظ آتا ہے اس کا معنی ہے قریب کرنا۔اسی سے مُقَرَّب کا لفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب لوگوں کے لئے آیا ہے۔اسی سے تَقَرُّب باب تفعُّل سے خود کو کسی کے قریب کرنا (قرب حاصل کرنا یا قرب ڈھونڈنا) تقرّبِ الٰہی کے معنی ہوں گے کسی شخص کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنا۔تقرّبِ الٰہی کی سوچ اور نظریہ کے کچھ مدارج ہیں اور کچھ ذرائع (MEANS)۔ان سطور میں تقرّبِ الٰہی کے انہی مراتب اور ذرائع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تقرّب الٰہی کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جو خالق کائنات نے انسان کی فطرت میں ڈالا ہے۔اس کائنات کی اصل حقیقت 'الحق' اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔قرآن پاک میں ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِل (22-62)

''یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جس چیز کو یہ (کافر) لوگ اللہ کے سوا پکارتے

ہیں وہ باطل (اس کا وجود ہی نہیں) ہے‘‘

اس اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق فرمائی ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے انسان میں فطرتاً جسمانی تقاضے بھی ہیں اور روحانی تقاضے بھی۔ ہمارے جسمانی تقاضے حیوانوں کے تقاضوں سے مشابہ ہیں جبکہ روحانی تقاضے فرشتوں سے مشابہ ہیں۔اس دنیا میں حیوانی اور روحانی تقاضوں کو ایک توازن کے ساتھ لے کر چلنا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں میں کئی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ہاتھ پاؤں آنکھ کان ناک کے علاوہ دماغ،عقل، زندہ دل اور ضمیر بخشا ہے،نیکی بدی کی تمیز بخشی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انسان سے مطلوب تقاضوں اور فرائض کی انجام دہی کے لئے اس میں اپنی پہچان اور محبت کے جذبات رکھے ہیں۔ایک انسان اگر جسم اور روح کے تقاضوں کی ادائیگی میں متوازن زندگی گزارتا ہے تو اس کے باطن میں اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک جذبہ موجزن رہتا ہے اور پھر اسی محبت کے کچھ عملی تقاضے بھی سامنے آتے ہیں۔

صحیح فکر ــــــ یعنی ایمان کے تقاضے

انسان کا عمل اس کی فکر کے تابع ہے۔فکر اگر صحیح ہو جائے تو اس انسان کے اعضاء و جوارح سے پھوٹنے والے سارے اعمال درست ہو جائیں گے اس کے اندر موجود جذبات (غم، غصہ، محبت، نفرت وغیرہ) بھی ہر قسم کی کجی سے پاک ہو کر درست ہو جائیں گے۔

صحیح فکر کا حاصل یہ ہے کہ انسان زندگی میں شعور کی عمر کو پہنچے تو کائنات کے مشاہدے اور عقل وفطرت کے تقاضوں کے تحت کائنات کے چند بنیادی حقائق کو پہچانے اور برملا ان کا اعتراف کرے۔اسی برملا اعتراف کا نام کلمہ شہادت ادا کرنا اور ایمان لانا ہے۔کسی حق کی گواہی (شہادت) دینا ہی اس کا برملا اظہار اور اعتراف ہے۔گویا ذہنی طور پر ایک صحت مند انسان کو اپنے شعور کی عمر کے حصے میں پہنچ کر ان باتوں کا اعتراف کرنا چاہئے کہ (i) یہ کائنات ایک محکم نظام کے تحت چل رہی ہے اور اس کا ایک خالق و مالک ہے وہ رب ہے وہ اللہ ہے۔(ii) انسان اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں آیا بلکہ یہ زندگی عارضی ہے اصل زندگی یہاں سے ’موت‘ واقع ہونے کے بعد شروع ہوگی۔مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا اس جہاں سے اگلے جہاں میں انتقال کا نام ہے۔انسان کا اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے اس کے کچھ

تقاضے فطرت انسانی میں ودیعت (INBUILT) ہیں اور باقی تقاضوں کی تعلیم اور وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ ان میں سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تھے ان پر نبوت ختم ہوگئی اب اُمت کے باشعور اور اچھے افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خود بھی اچھے بنیں اور دوسروں کو اس بات پر آمادہ کریں اور اس بات کی کوششیں کریں اللہ کا دین غالب ہوجائے اور تمام انسانوں کو ایسا ماحول میسر آئے کہ وہ اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں علیہم السلام کو لکھی ہوئی ہدایات بھی دی تھیں یعنی صحیفے اور کتابیں، چار بڑی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں قرآن سب سے آخری کتاب ہے وہ محفوظ ہے اور سابقہ کتابوں کی مہیمن بھی۔

اس صحیح فکر کو ایمان کہتے ہیں یہ ایمان پیدا ہوجائے تو اس کے کچھ تقاضے ناگزیر ہیں۔

ایمان اور محبت الٰہی

ایمان کا درجہ بلند ہو تو دل میں اللہ تعالیٰ (اپنے خالق و مالک) کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان کی کمی بیشی کے ساتھ اس محبت کے گھٹنے بڑھنے کا براہ راست تعلق ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (02-165)

''جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں''

ایمان کامل ہوگا تو محبت الٰہی بھی کمال کے درجے کی ہوگی محبت ہوگی تو اطاعت ہوگی وفا کیشی ہوگی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق ہوگا اس سے ملاقات کا شوق ہوگا ملاقات کا شوق بڑھ جائے تو اس ملاقات میں موت رکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور موت کو انسان خوشی سے قبول کرلیتا ہے۔ اسی لئے جہاد اور شہادت کی آرزو بندہ مومن کی شان ہے۔ آخرت کی زندگی سے شدید محبت اور اللہ کی ملاقات کی خواہش ہی پھر زندگی کا مشن قرار پاتا ہے اور یہ محبت شدید ہو تو انسان دوسرے بنی نوع انسانوں کو بھی اسی مقصد جلیل کی طرف بلاتا ہے اور ساتھ لے کر چلتا ہے۔

ایمان اور تقرّب الٰہی

ایمان کے بڑھنے سے محبت الٰہی کا جذبہ جوان ہوتا ہے اور محبت الٰہی ایک خاص حد تک

بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی قرب سے قربانی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ تقرّب الٰہی کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے چنانچہ جب سے انسان دنیا میں آیا ہے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے اندر اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کا شوق موجود ہے اور ہر انسان کو اس کی جستجو ہے یہی جستجو کا جذبہ اہل ایمان کو بے چین کیے رکھتی ہے۔

تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ دونوں میں کسی بات پر اختلاف ہوا تو دونوں نے اللہ سے قرب کے لئے قربانی کی۔ اذقربا قُربانًا (05-27) تاریخی طور پر یہ قدیم ترین تصوّر قرب الٰہی ہے۔ دونوں نے جانور قربان کئے ایک کی قربانی قبول ہوگئی دوسرے کی نہیں ہوئی۔ ایک طویل عرصے تک ہر پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات میں ایک قربان گاہ کا تصور رہا ہے جہاں اہل ایمان کوئی معاملات میں قربانی پیش کرنے کا حکم ہوتا تھا گویا ان اعمال سے انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شوق ظاہر کرتا تھا اور خلوص ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل کر لیتا تھا اور قربانی قبول ہو جاتی تھی۔

تقرّبِ الٰہی کے دو درجے

جب ایک انسان میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کائنات میں بڑا اہم، نازک اور خاص 'پرزہ' ہے اس وقت انسان کو اپنے باطن میں ایسا بے پناہ سرور ملتا ہے کہ اس کا دل اس سے لبریز ہو جاتا ہے ــــــ ذرا آگے بڑھ کر جب یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے 'لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ' (میں نے تو اس کو خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے (38-75) فرمایا ہے تو خودی میں ترفّع پیدا ہو جاتا ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ اس نے بہت کچھ پا لیا ہے۔ انسانی فطرت اگر صالح ہے اور ماحول کے بُرے اثرات سے مسخ نہیں ہوگئی تو یہاں سے باطنی طور پر انسان میں اپنے رب کے قرب اور معرفت کی لگن بیدار ہوتی ہے اپنے رب کے احکام کی پیروی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی کامل اتباع سے انسان اس راستے کے پیچ وخم سے آگاہ ہوتا ہے اور ایک واضح شاہراہ ــــــ صراطِ مستقیم کی شاہراہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ انسان کی اپنی فطری صلاحیتوں کا عکس ہے کہ (جیسا کہ اس انسان کے اپنے اندر بہادری بزدلی، عالی ہمتی پست ہمتی، بلند حوصلگی اور کاہلی، مسابقت کا جذبہ اور پژمردگی وغیرہ کے داعیات ہیں) یہ شاہراہ اسے

آسان نظر آئے یا مشکل محسوس ہو، اس کا تعلق اس کے اپنے باطن سے ہے۔

کوئی انسان بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکومت سے باہر نہیں ہے مگر قربِ خداوندی ایک الگ شئے ہے یہ معرفت خداوندی کا متقاضی ہے اور لذت آشنائی سے پروان چڑھتا ہے۔

دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کے جذبے کے ساتھ شوق کا زادِ راہ لے کر اس صراطِ مستقیم کا سفر (چاہے وہ تیز رفتاری سے ہو یا سست روی سے) انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سفر شروع ہوتا ہے اور یہی تقرب الٰہی کی سعی ہے۔

تقربِ الٰہی کا پہلا مرحلہ خدا اور بندے کے درمیان بے شمار حجابات کو عبور کرتے کرتے آگے بڑھنے کا مرحلہ ہے اس مرحلے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ نفس مطمئنہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور اس کے لئے دیدارِ الٰہی کے حصول میں صرف 'موت' کا پردہ رہ جاتا ہے جنت میں داخلے پر وہ دیدارِ الٰہی سے بہرہ ور ہو جائے گا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس مرحلہ پر انسان اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب پاتا ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے ــــــــ ابھی دیدارِ الٰہی کا مرحلہ بظاہر 'موت' کی سرحد سے پرے ہے مگر انسان اس کیفیت میں بے پناہ سکون محسوس کرتا ہے اور اس کی اب سب سے بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے دنیاوی مصروفیات اور علائق دنیوی کے ناگزیر انسانی تقاضوں سے جو وقت بھی بچے وہ بس 'اعتکاف' کی حالت میں اپنے ربّ کے سامنے 'تصور جاناں' کیے بیٹھا رہے۔ اس سے زیادہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مالوف شئے دنیا میں کوئی اور نہیں رہ جاتی ہے۔ یہ تقرّبِ خداوندی کا اہم درجہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے (84-20) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ ایزدی سے طُور پہاڑ پر آنے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اسی جذبے اور شوقِ ملاقات کی وجہ سے وقت مقرّرہ سے پہلے ہی وہاں حاضر ہو گئے۔

اس درجہ سے آگے بڑھنے اور مزید ترقی کے بے شمار درجے ہیں اس دور میں جب کہ انسان اِن مراحل کے کہیں آس پاس ہوتا ہے انسان کے دل کی کیفیات ایسی پُر لطف ایمانی کیفیات ہوتی ہیں جو بیان سے باہر ہیں اور انسان کی اپنے بشری تقاضوں اور جبلتوں کے باوجود یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر اسی کیفیت میں رہے اور یہ کیفیات اُس سے زائل نہ ہوں۔ اس منزل پر پہنچنے والے مسافروں کی کیفیت آپ ﷺ کی اس دُعا میں ہے

............اللھم انی اسالك نعیما لاینفذ واسالك قرۃ عین لاتنقطع و اسالك الرضاء بالقضا و برد العیش بعد الموت واسالك لذۃ النظر الی وجھك و الشوق الی لقائك ...... (الجامع الصغیر، عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسی نعمتوں کا جو کبھی ختم نہ ہوں اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں آنکھ کی ایسی ٹھنڈک کا جو منقطع نہ ہو اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر فیصلے پر راضی رہنے کا اور موت کے بعد پرسکون زندگی کا اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری ذات کے دیدار کا اور تیری ملاقات کے شوق کا''

نیت صاف ہو......جذبہ صادق ہو......راہ سیدھی ہو......عمل میں کوتاہی نہ ہو......اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہو......قرآن رہنما ہو......صحابہ رضی اللہ عنہم رہبر ہوں انسان کی خواہشات اور توقعات کی لگام جبریل اور 'حور' کے ہاتھوں میں نہ ہو (یعنی انسان صرف دعاؤں کی قبولیت اور عزت و مقام کے حصول اور لذت کوشی پر قناعت کرنے والا نہ بنے) تو بعض اوقات چشم زدن میں اگلا مرحلہ نگاہوں کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

ے
می شود پردۂ چشم پر کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے
وادئ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے
درطلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے!

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ شاہجہاں بادشاہ کے دور میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے ملفوظات میں ہے کہ اس مرحلہ کی کیفیات میں ایک دفعہ فرمایا (اور یہ اُن کا احساس تھا بلکہ ہر سالک اور راہِ حق کے مسافر اور طالب حق کا یہی احساس ہوتا ہوگا) کہ

(حضرت) محمد ﷺ بالائے آسمان رفت و باز آمد

بخدا ــــــ اگر من رفتمے باز نمی آمدمے

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ (معراج کی شب ساتوں) آسمانوں کے بھی اُوپر چلے گئے (قربِ الٰہی کا یہ درجہ دنیاوی زندگی کا انتہائی درجہ ہے) اور پھر واپس آ گئے۔ بخدا ــــــ اگر (ممکن ہوتا) اور میں (اس طرح) بالائے آسمان چلا جاتا (اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کر لیتا) تو واپس کبھی نہ آتا (قربِ خداوندی کی اس لذت سے نکلنا پسند نہ کرتا)۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی اُوپر بیان کردہ کیفیات ہر سالک کے دل پر درجہ بدرجہ وارد ہوتی ہیں اور اس مقام پر وقتی طور پر یہی صدا دل سے نکلتی ہے مگر 'ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں' کے مصداق منزل دور ہو......وسائل سفر بھی ہوں...... بتانے والا بھی ہو......خضر راہ بھی ہو......محبوب کی آواز بھی پکار رہی ہو اور انسان آگے بڑھنے کا نام نہ لے بلکہ کہے کہ یہی منزل بہت اچھی ہے ٹھنڈی ہے یہیں سکون ہے آرام ہے آگے شاید مشکلات ہوں میں آگے بڑھتا ہی نہیں ــــــ یہ خطا ہے۔ تقرّب الٰہی کے پہلے مرحلے کی ٹھنڈی چھاؤں اور پرسکون کیفیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے حصول میں مزید پیش رفت پر ہر دم کمربستہ رہنا سلامتی طبع اور ذوقِ بلند کی علامت ہے۔

تقرّبِ الٰہی کا یہ اب درپیش اگلا مرحلہ اور اعلیٰ درجہ کیا ہے اس کی کیا اہمیت ہے اور یہ کیسے پہلے بیان کردہ درجے سے اعلیٰ ہے؟ یہ بڑی دلچسپ 'داستان' ہے لذیذ بھی ہے اور ذرا لمبی بھی۔

یہ وہ بحث ہے جس سے مقام رسالت کی ذمہ داریوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جو سلسلۂ انزالِ کتب اور ارسالِ وحی شروع فرمایا تھا اس کے لئے ایک حدیث کے مطابق 124,000 نبی تشریف لائے جن میں خاص چن کر 313 کو رسول بنا دیا گیا۔ رسالت کے فریضہ کے ساتھ کون کون سی اضافی ذمہ داریاں تھیں یہ بات بہت

اہم ہے۔ سمجھ میں آجائے تو 'دین' کا ایک بڑا حصہ سمجھ میں آجاتا ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے انسان کو اپنی ذمہ داریاں روزِ روشن کی طرح واضح اور ضروری محسوس ہوتی ہیں۔ بالخصوص ختم نبوت کے تقاضوں اور آج ہم مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کا نقشہ کج بحثیوں سے بلند ہو کر ایک ناگزیر فریضہ کے طور پر سامنے آجاتا ہے۔ نبی اور رسول کی طرح اولیاء اللہ میں بھی یہی دو طرح کی مزاج ہوتے ہیں اور تقرّب الٰہی کے درجے میں فرق ہوتے ہیں۔ ہم قارئین کرام کو اصولی بحث کے بجائے اوپر مذکور بحث کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کوشش میں ہمیں کامیاب فرمائے آمین تاکہ گوہر مقصود حاصل ہو سکے۔

تقرّبِ الٰہی کا اعلیٰ درجہ

مثال یہ ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ مرجع خلائق ہوتے ہیں دنیاوی طور پر بھی اور دینی و مذہبی اعتبار سے بھی کل کے بادشاہ ہوں یا آج کے سیاسی رہنما یا صوفیا یا علماء ان کے حلقوں میں یہ مرحلہ آتا ہے۔

آج کے سیاسی رہنماؤں میں سے مثال لیں تو ہمارے ہاں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں وہ کبھی کبھی اقتدار میں بھی آجاتی ہیں پھر ان کے کارکن بے پناہ مراعات حاصل کرتے ہیں بعض سیاسی پارٹیوں کی تاریخ کئی عشروں تک پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی باصلاحیّت مخلص نوجوان کسی پارٹی کو صحیح سمجھ کر نچلی سطح پر اس کی بنیادی رکنیت حاصل کرتا ہے۔ محنتی ہے مخلص ہے پرجوش ہے باصلاحیت ہے؛ لہٰذا وہ جماعت کے نظام میں آگے بڑھتا جائے گا۔ آج یونٹ انچارج ہے تو تھوڑے عرصے بعد یونین کونسل کا ذمہ دار ہوگا مزید آگے بڑھے گا تو شہر کی پارٹی کا ممبر بنے گا اور پھر صدر بن جائے گا۔ الیکشن میں اچھی کارکردگی دکھائے گا تو کچھ عرصے بعد اگلے الیکشن میں اُسے MPA کا ٹکٹ مل جائے گا لوگ اُسے منتخب کر دیں گے اس سے اسے پارٹی لیڈر کا بھی اعتماد حاصل ہوگا اور عوام کا بھی۔ الغرض آگے بڑھتے بڑھتے شاید دو عشروں بعد وہ پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کا ممبر بن جائے اور پارٹی لیڈر کی نظر میں چند معتمد ترین افراد میں شامل ہو جائے۔ آج کل سیاسی طور پر اسے 'کچن کیبنٹ' کہتے ہیں کہ چار پانچ ایسے منظورِ نظر افراد کہ وہ روز بروز کے معاملات میں ہر وقت مشورے میں رہتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کی بنیاد پر باقی قریبی ساتھیوں

کے مقابلے میں پارٹی لیڈر کی نگاہ میں بچ جائے اور نمبر ٹو کہلانے لگے۔ یہ اس پارٹی لیڈر کے 'تقرّب' کا پہلا انتہائی درجہ ہے۔

اب ایسا ہوتا رہتا ہے اور یہ مراحل آجاتے ہیں کہ امریکہ سے تعلقات بڑے نازک ہیں وہ سپر پاور ہے پہلا سفیر معاملات کو صحیح سمت میں نہیں لے جارہا ہے مشورہ ہو کہ وہاں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو بڑا با اعتماد بھی ہو، مخلص بھی ہو، معاملات کو چلانے کا اہل بھی۔ پارٹی لیڈر کے اعتماد کا یہ اگلا اعلیٰ درجہ ہوگا کہ وہ اپنے سینئر ترین معتمد آدمی کو امریکہ میں سفیر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرلے۔ وہ قریب ترین شخص معینہ جگہ چلا جائے اور اپنے محبوب لیڈر کی حکم برداری کرے تو یہ اس کی فدائیت کی نشانی ہے اور اگر وہ کہے کہ میں تو اپنے محبوب لیڈر کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تو یہ طرزِ عمل بظاہر اپنے محبوب لیڈر سے محبت کو ظاہر کرے گا مگر اس لیڈر کی جو ضرورت اور خواہش و مرضی ہے کہ کوئی جائے اور امریکہ میں میرے مفادات اور پارٹی مفادات کا خیال رکھے اس فرض سے کوتاہی ہوگی ـــــــــ یہ مرحلہ اس شخص کی محبت کا بھی امتحان ہوگا اور 'تقرب' کا ایک ٹسٹ بھی، کہ یہ کسی ذاتی مفاد کی وجہ سے ہے یا اس لیڈر اور اس پوری پارٹی کے ساتھ مخلص بھی ہے اور محبوب سے دور رہ کر محبوب کی محبوبیت اور تقرّب کو نظر انداز نہ کرنا یہ اس کی آزمائش ہوگی اور اس امتحان میں پورا اترنا اس کی کامیابی کا اعلیٰ درجہ ہوگا۔

اسی لئے تقرّب کا یہ درجہ پہلے درجے سے بہت اونچا ہے۔ پہلا انسان ہر وقت اپنے محبوب کے قدموں میں اور قریب ہوتا ہے اور دوسرے درجے میں اپنے محبوب کی خاطر محبوب سے دور ہوتا ہے اسی لئے یہ درجہ پہلے درجے سے کہیں زیادہ فرمانبرداری اخلاص، محبت اور فدائیت کا متقاضی بھی ہے اور منہ بولتا ثبوت بھی۔

تقربِ الٰہی کے حوالے سے دیکھیں تو آسمان قربت پر پہنچ جانا ایک مرحلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے دوبارہ خلق خدا کی رہنمائی اور مخلوق کو خالق سے جوڑے کے جذبے سے دوبارہ آسمانِ قربت سے اُتر کر محبوب سے دور رہ کر تکالیف اُٹھانا لوگوں کی باتیں سہنا اور پھر بھی محبوب سے راضی رہنا جس سے محبوب کی منشا پوری ہو ـــــــــ یقیناً اعلیٰ تر درجہ ہے۔

حضرت محمد ﷺ بھی آسمانوں پر تشریف لے گئے ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ کو قربِ الٰہی

کا بہت اعلیٰ درجہ حاصل ہے مگر اسی قرب میں محبوب کا کہنا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے واپس آ کر طائف کی بستی جیسے حالات میں پتھر کھانا، مکہ کی گلیوں میں لوگوں کے استہزا کا نشانہ بننا، مجنوں اور شاعر کے بُرے القابات سننا، وطن چھوڑنا، اُحد میں زخمی ہونا، خندق کے دن تکالیف اُٹھانا ـــــــــ صرف اور صرف محبوب کی خاطر اور اس کی رضا کے حصول کے لئے ہے کہ وہ اسی میں راضی ہے تقرّب کا بہت بلند درجہ ہے۔

تقرّبِ الٰہی کے درجے

تقرّبِ الٰہی کے اُصولاً تو یہی دو درجے ہیں اور صرف یہی ممکن ہیں۔ پہلی نظر میں لگتا ہے کہ انسان کے پاس اختیار (CHOICE) ہے کہ وہ ان میں سے جس درجے کو چاہے اپنے لئے چن لے اور اس درجے میں محنت کر کے اور مجاہدات کے ذریعے آگے بڑھتا چلا جائے۔ مگر آپ دقت نظر سے کام لیں گے تو ـــــــــ قارئین کرام آپ کو محسوس ہوگا کہ انسان کے پاس اور ایک مخلص مسلمان کے پاس ان دو درجوں میں سے اپنے لئے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار نہیں ہے یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور اُس نے یہ اختیار استعمال فرما کر ہمیں دنیا میں بھیج دیا ہے۔

تقرّبِ الٰہی کے یہ درجے خارجی حالات اور ماحول کے تابع ہیں۔

کسی انسان کے لئے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کونسا طریقہ تقرّبِ الٰہی کے لئے استعمال کرے یہ اس کا کام نہیں ہے یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا ہے اور اس کی سیاہی خشک ہو چکی ہے کہ آپ دنیا میں آ کر تقرّبِ الٰہی کے لئے کونسا طریقہ اپنائیں گے۔

ہر انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اُسے دیگر کئی معاملات کی طرح اس میں اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کس ماحول میں رہے۔ خاندان، برادری، علاقہ، زبان ماحول دینی کیفیات اُس کو بطور ایک امتحانی پرچہ (GIVEN SITUATION) کے ملتی ہیں۔ انسان کے داخلی کیفیات سے قطع نظر خارجی طور پر کسی انسان کو ایمانی نقطہ نظر اور دینی لحاظ سے دو قسم کے ماحول میں کوئی ایک ماحول ملتا ہے یعنی کوئی انسان دنیا میں آنکھ کھولے بچپن لڑکپن گزار کر جوان ہو، شعور کی عمر کو پہنچے، عملی زندگی میں قدم رکھے تو ـــــــــ ایک صورتِ حال ایسی ہو سکتی ہے کہ اللہ کا دین مغلوب ہے لوگ دین سے بے پروائی برت رہے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا نہیں مانتے دین کے احکام

پر قلیل لوگ عمل کرتے ہیں باقی نہیں کرتے ،مسلمان غیروں کے غلام ہیں خلق خدا کی عظیم اکثریت اپنے رب سے غافل ہے اور دنیاداری، بے حیائی، عیاشی، ظلم ، بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کے نظام کے تحت حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہی ہے شیطان خوش ہے اور حزب الشیطان مسلّط ہے، معرفت خداوندی، تقرب الٰہی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی سعی کے الفاظ سے ہی دنیا نا آشنا ہے۔ دوسری صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ کوئی جوان اس ماحول میں عملی زندگی میں داخل ہوکر دین غالب ہے ہر طرف نیکی کا غلبہ ہے، برائی کے دروازے بند ہیں ظلم، ناانصافی، شراب جوا، بے حیائی، عیاشی، بدکاری کا سدباب کر دیا گیا ہے صلح و جنگ عدالتیں، منڈیاں، بازار، عوام، حکومت، سیاست، معیشت، سب کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق طے پا رہے ہیں کفالت کا نظام ہے کوئی بھوکا نہیں سوتا کوئی کسی کا حق نہیں مارتا اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کا تقرّب حاصل کرنا، اس کی رضاوخوشنودی کے حصول کی فضا قائم ہے، مسجدیں آباد ہیں شیطان ذلیل ورسوا ہے اور پریشان ہے۔

پہلی صورت اس وقت تھی جب حضرت محمد ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے 13 سال مکہ کے 8 سال مدینہ کے پھر دین غالب ہوگیا کم وبیش یہی کیفیت آج بھی ہے کہ دین مغلوب ہے۔

دوسری صورت تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور تھا اللہ کا دین غالب ہے جہاد ہو رہا ہے لوگ دین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں اس وقت بے حیائی عیاشی کے تمام راستے بند ہیں ایک نوجوان اپنی زندگی کا لائحہ عمل کیا طے کرے گا؟ وہ ذاتی سطح پر خدمت خلق، عبادات ذکر و اذکار تلاوت کرے گا جب کوئی تقاضا جہاد کا ہوگا ادا کرے گا۔

یہ دو قسم کے خارجی حالات ہیں جن میں سے کسی ایک قسم کے حالات سے لازماً انسان دوچار ہوتا ہے۔ گویا جس ماحول میں کوئی پیدا ہوتا ہے اس پر اُس کا کوئی کنٹرول نہیں تھا نہ اس کے پاس کوئی اختیار (CHOICE) لہٰذا ہر ذی شعور انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس ماحول کے مطابق اپنے دینی فرائض اور دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کا پابند ہے اور یوں تقرّبِ الٰہی کا اُوپر مذکور پہلا درجہ یا دوسرا درجہ اپنا لینے کا پابند ہے۔ پہلے درجے میں رہتے ہوئے دوسرے درجے کے لئے ذہناً تیار رہنا بھی ممکن ہے اور اس کے مواقع بھی آتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں تقربِ الٰہی کے درجے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقربِ الٰہی کو دو واضح درجوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک تقرب بالفرائض ہے اور دوسرا تقرب بالنوافل۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ، وَلَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ، فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ۔ (رواہ البخاری)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا۔ میرا (ایک دوسرا) بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔

تقرب بالفرائض بمقابلہ تقرب بالنوافل

اس فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہر انسان کے لئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے یا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے دو درجے ہیں۔ ایک تقرب بالفرائض کا درجہ ہے اور دوسرا تقرب النوافل کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ بیان ہی واضح کر رہا ہے کہ تقرب بالفرائض کا درجہ اعلیٰ ہے بمقابلہ تقرب بالنوافل کے۔

تقرب بالفرائض میں مطاع اور محبوب کے حکم کے مطابق عمل کرنا ہے اپنی ذاتی

پسند ناپسند کو پیچھے کر کے ہر وقت اس کی 'رضا' کی خاطر کام کرنا ہے جبکہ تقرب بالنوافل میں متعلقہ شخص اپنی پسند اور چاہت کے مطابق اضافی عبادات کر رہا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق عبادات میں سے کسی ایک طرزِ عبادت (نفل نماز، نفل روزے، نفل صدقات وغیرہ) کو خود اپنے طور پر ترجیح دے کر کرتا چلا جا رہا ہے۔ لہٰذا تقرب الٰہی کی یہ تقسیم اور اس میں فرائض اور نوافل کے الفاظ ہی تقرب بالفرائض کے درجے کو تقرب بالنوافل کے درجے سے کہیں زیادہ اعلیٰ درجہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

تقربِ الٰہی کے ان مراتب کا فرق ____ ایک مثال

تقربِ الٰہی کے ان دو مراتب کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال سے مدد لیتے ہیں۔ ایک مقام ہمارے ہاں نبوت و رسالت کا ہے اور دوسرا ولایت کا۔ نبوت کا درجہ اعلیٰ ہے اور 'ولایت' کا درجہ بہر حال نبوت کے مقابلے میں کم ہے۔

بعض اولیاء اللہ صرف ذاتی نیکی اور ذاتی روحانی ترقی پر ہی کفایت کرتے ہیں اور جب ان کو مقاماتِ عالیہ مل جاتے ہیں تو اسی مقام پر رہنا پسند کرتے ہیں اور بعض اولیاء اس مقام سے ترقی کر کے اوپر جاتے ہیں اور اپنے محبوب اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اور اس کی فرمانبرداری کے جذبے سے محبوب کی حضوری کے سکون کو قربان کر دیتے ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے معراج کے مراتب عالیہ سے نوازے گئے قربِ الٰہی حاصل ہوا مگر اپنے منصب رسالت و خلق پر اتمام حجت کی خاطر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس بات کی اہمیت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض و احکام کی بجا آوری اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضور پر فائق رکھنا ضروری ہے۔ چاہے انسان کا دل یہ چاہتا ہو کہ قربِ الٰہی کی ٹھنڈی چھاؤں کو ہی اپنا مسکن بنائے رکھا جائے۔

جیسا کہ اوپر تذکرہ ہوا تھا کہ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوضات میں کسی موقع پر ایک خاص کیفیت کا تذکرہ ہے کہ

محمد ﷺ بالائے آسمان رفت و باز آمد

بخدا! اگر من رفتمے باز نمی آمدمے

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ آسمان سے اوپر (سدرۃ المنتہیٰ تک) تشریف لے گئے اور واپس آ گئے۔ خدا کی قسم اگر میں (کسی طرح) وہاں پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔

تقرب بالنوافل ــــــــ حاصل شدہ قرب خداوندی کے مقامات پر ٹھہرے رہنے اور سکون کا نام ہے جبکہ تقرب بالفرائض ایسے بلند مقامات پر بھی پہنچنے کے بعد محبوب کے احکام کی بجا آوری کو مقدم رکھنا ہے۔ یہ انسانی کمزوری ہے کہ کتابوں کا قدردان اگر کسی ایسی لائبریری میں پہنچ جائے جہاں اس کے مطلب اور ذوق کی کتابوں کی کثرت ہو اور اُسے یہ نعمت غیر مترقبہ ملنے کا احساس ہو جائے تو وہ کچھ عرصے کے لئے دوستوں سے الگ اس لائبریری کے در و دیوار اور کتابوں میں گم ہو جائے گا اور اُسے شاید دوستوں کے بچھڑنے اور کسی اور اہم پروگرام کا فکر ہی نہ رہے اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو ــــــــ بعض اوقات انسان اپنی پسندیدہ ذوق کی جگہ جا کر ایسا کھو جاتا ہے کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا اور کبھی نماز کا وقت بھی گزر جاتا ہے۔

تقرب بالفرائض اپنی پسند اور محبوب اشیا کی کثرت سے فراوانی کے باوجود محبوب کے حکم اور اس کی رضا جوئی کو مقدم رکھنے کا نام ہے اور ذاتی اغراض، پسند ناپسند ذوق، تن آسانی، آرام راحت کو قربان کر دینے کا نام ہے۔ بقول شاعر

؎ خیرت جان راحت تن صحت داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی

تقرب بالفرائض ــــ کی شان

قربِ الٰہی کی یہ ایک ایسی شاندار منزل ہے کہ انسان اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ جو اس کا اب محبوب بن چکا ہے ــــــــ دنیا کا ہر غم اور تکلیف اپنے گلے لگانے کو تیار ہے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار اور چوکس ہے۔ حتیٰ کہ محبوب کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں بے آرامی، ہجرت، ترک وطن، اولاد کی قربانی، علائق دنیوی کی قربانی سب کچھ اس کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کے شوق کے سامنے بڑی شان استغنا سے ٹھکرا دیے جانے کے قابل ہیں۔

یہ مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو یا ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ کی ہو ــــــــ حاصل ایک ہی ہے۔دونوں جگہ "ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین" کا نعرہ مستانہ ہے جس کے جواب میں بارگاہ ایزدی سے ایسے شخص کے سلام کا تحفہ 'انك باعیننا' کی نوید جانفزاءاور 'لا تخافا اننی معکما اسمع واریٰ' کی تھپکی ہوتی ہے جس سے اس راستے کی تکالیف محسوس ہی نہیں ہوتیں اور اس راہ کی مصیبتیں بھی پھول محسوس ہوتی ہیں۔

تقرب بالفرائض کے ذریعے انسان یعنی بندہ مومن ایک ایسے خدائی لشکر کا ایک فرد بن جاتا ہے جسے قرآن پاک میں 'حزب اللہ' کہا گیا ہے۔ وحی الٰہی کے مطابق دنیا میں دو ہی گروہ (PARTIES) ہیں ایک حزب اللہ اور دوسری حزب الشیطان۔حزب اللہ ــــــــ اللہ کی پارٹی ہے اور یہ پارٹی اللہ کا جھنڈا اُٹھاتی ہے سر بلند رکھتی ہے اور اس راہ میں اس پارٹی کا ہر فرد اپنا سب کچھ قربان کردینے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اُخروی کامیابی میسّر آجائے۔ جنت میں دیدارِ الٰہی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکے۔جبکہ حزب الشیطان ــــــــ ابلیس لعین اور شیطان کے پیروکاروں کی پارٹی ہے جو دنیا میں شر، اخلاقی بے راہ روی، بے حیائی، بے پردگی، عریانی، فحاشی، کاروباری اور سماجی برائیوں کے علاوہ سیاسی طور پر ظلم، ناانصافی، شرک، خدائی کا دعویٰ، وحی دشمنی، انبیاءکرام علیہم السلام سے دشمنی اور خدا بیزاری کو آگے بڑھاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کی حمایت کرتا ہے اُسے آگے بڑھاتا ہے اس پر دست شفقت رکھتا ہے اور کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔بقول شاعر

ے اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یا ے دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا

حزب اللہ ــــــــ کا معاملہ یہ ہے کہ یہ پارٹی اللہ تعالیٰ کی تائیدونصرت سے باطل سے ٹکراتی ہے اور اس کا ستیاناس کر دیتی ہے۔فرمانِ الٰہی ہے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (21-18)

''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے''

یا بقول علامہ اقبال

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے ہر زماں جو اپنے عمل کا احتساب

'حزب اللہ' تشکیل پا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو نیچا دکھاتا ہے اور حق کا بول بالا کرتا ہے۔ اس حزب اللہ کا ہر فرد ــــــــ اپنی جگہ ایک چٹان ہوتا ہے۔ بندۂ مومن دوستوں میں ہو تو ــــــــ معاملہ مختلف ہے۔ مگر جب معرکہ حق و باطل ہو تو کفر کے مقابلے پر اُتر کر بندۂ مومن جرأت بہادری، وسیع الظرفی، حوصلہ اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے اور پیٹھ نہیں دکھاتا۔ بندۂ مومن حزب اللہ میں شریک ہو کر خدائی لشکر بن جاتا ہے اور ہر طرح کی کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔

تقرّب الفرائض کا خوگر بندۂ مومن ــــــــ تقرب بالفرائض کے مرحلہ میں بھی شعور ذات کو نہیں بھولتا۔ اجتماعی کام کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادی اصلاح بھی کرتا ہے اور دوسروں کی طرح اپنا بھی بے لاگ محاسبہ کرتا رہتا ہے۔

بقول علامہ اقبال

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یا

بروز بزم ملائم چوں پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

اس 'حزب اللہ' پر اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اور فرشتوں نے جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت کہا تھا کہ ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں لہٰذا انسان سے بہتر ہیں اور 'خلافت ارضی' کا بار اُٹھا سکنے کے اہل ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے 'اس گوشت پوست کے انسان کی قربانیوں اور اپنی جبلی خواہشوں اور تقاضوں تک کو پس پشت ڈال کر صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر جان و مال بھی راہِ حق میں فدا کر دینے والے' آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کو یہ خلافت ارضی کا بار گراں عطا فرمایا۔ اس کی وجہ

ظاہر ہے کہ انسان محبت خداوندی میں جو قربانی کرسکتا ہے وہ فرشتہ نہیں کرسکتا۔

؎ چناں خود را نگہ داری کہ بااین بے نیازی ہا
شہادت بر وجود خود ز خونِ دوستاں خواہی!
مقامِ بندگی دیگر ، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی (اقبالؒ)

یا ؎ از کمالت گر ملک آگاہ بودے
کے اَتَجۡعَلُ گفتہ خود رسوا شدے (پیر مہر علی شاہ)

اولادِ آدم علیہ السلام میں سے یہ قابل فخر حصہ تقرب بالفرائض کے حصول میں کوشاں اہل ایمان، مقربین بارگاہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں بڑا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انہی مقربین بارگاہ کا ہی درجہ آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو تاریخ اسلام میں رات کے راہب اور دن کے شاہسوار کہا گیا ہے۔ جبکہ قرآن پاک میں نسل انسانی کے ان قیمتی نایاب گوہروں کا یوں باعزت تذکرہ کیا گیا ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ (29:48)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ مَا ضَعُفُوۡا وَ مَا اسۡتَکَانُوۡا وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ (03-146)

”اور بہت سے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہوکر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی نہ (کافروں سے) دبے اور اللہ تعالیٰ استقلال رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

یہی فخر انسانیت لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ (24-36)

(وہ) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان میں صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہیں (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جب دل اور آنکھیں (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے یہی غازی اور پُراسرار بندے ہیں جن کے مخالفوں سے اللہ تعالیٰ اعلان جنگ کر رہا ہے۔ یہی لوگ دین کو سر بلند کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کر دیتا ہے۔

تقرّب بالنوافل

جب اللہ تعالیٰ کا دین متین غالب ہو جائے تو اب باصلاحیّت باہمّت اور اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اولاً اس نظام کو اپنے راستے سے نہ ہٹنے (DERAIL) دیں اور ثانوی طور پر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اجتماعی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ

انفرادی اور گھریلو ذمہ داریاں بھی ادا کرتے ہیں۔فرمانِ رسالت ﷺ ہے

خیر کم خیر کم لاھلہ و انا خیر کم لاھلی (ترمذی، عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

''تم میں سب بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہیں اور میں تم میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں''

غلبہ حق کے بعد ــــــــ تقرب الٰہی کا درجہ نوافل کے ذریعے آگے بڑھنے کا ہے۔ اب انسان کی دل و دماغ کی صلاحیتیں اور سارا وقت جو اپنی کسب معاش اور گھریلو ذمہ داریوں سے بچے ــــــــ اُسے اس کام میں لگا دینا ہی بندۂ مومن کے لئے واحد راستہ رہ جاتا ہے۔

جب اسلام غالب ہو، اللہ تعالیٰ کے دین کا چرچا ہو، ہر طرف ماحول میں نیکی ہی نیکی ہو برائی کا سدباب کر دیا گیا ہو ــــــــ شیطانِ لعین کے برائی پھیلانے کے راستے محدود کر دیے گئے ہوں خلق خدا آسودگی اور امن کے ساتھ اپنے رب کی عبادت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں ہو۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول رہتا ہے۔ ہر انسان ایک دوسرے سے آگے نکل کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا خواہش مند ہو تو یہ وقت ہے کہ انسانیت اپنے مقصد وجود کو حاصل کر لیتی ہے۔ اخلاق، کردار، عادات، اطوار، رہن سہن، خوشی غمی کے اظہار کے طریقے، کھیل کود کے طریقے حتیٰ کہ ایمانی کیفیات اور نجات اُخروی کے احساس کے تحت انسان اس دنیا میں جو بھی کام کرتا ہے وہ بھی رضائے الٰہی کے حصول کے مددگار بن جاتے ہیں۔اس ماحول میں ہر اُمت کا طرزِ تعمیر، طرزِ بود و باش، طرزِ فکر، آرٹ اور فارغ اوقات کے مشغلے ایک نیا جنم لیتے ہیں جو اس اُمت کے نظریات و خیالات کے عکاس ہوتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب اُمت مسلمہ کو عروج حاصل تھا وہ مغلیہ دور کا ہند ہو، یورپ کا مغربی حصہ اندلس (سپین) ہو یا مشرق وسطیٰ کی عباسی سلطنت اور ایران کا مسلم دور حکومت اس میں انسانی دماغ اور ہاتھوں سے قلم اور برش کے ذریعے جو آرٹ کے نمونے بنائے ہیں ان کی پاکیزگی اور اعلیٰ انسانی قدروں کے عکاس ہونے کا زمانہ معترف ہے اور یہی انسانیت کی معراج ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ فی الارض اسی اپنی شان کے اظہار کے لئے تخلیق فرمایا تھا ــــــــ جو اسلام کے غلبے کے دور میں تقرب النوافل کے ذریعے اپنے رب کے قرب اور رضا کے حصول

کے لئے کوشاں انسانیت اپنے رویوں سے ظاہر کررہی ہوتی ہے۔ یہ ماحول انسانیت کی معراج کہلاسکتا ہے اس ماحول میں انسانیت امن وسکون سے اپنے رب کی مرضی کے مطابق مجموعی طور پر زندگی گزاررہی ہوتی ہے۔ یہی جنت ارضی ہے...... جہاں کوئی بھوکا نہیں سوتا...... کسی کی عزت نہیں لٹتی...... کوئی ڈاکہ نہیں...... کوئی چوری نہیں...... ظلم نہیں...... دھونس و دھاندلی نہیں...... بے انصافی نہیں...... ملاوٹ نہیں...... کم تولنا نہیں...... بے ایمانی نہیں...... رشوت نہیں...... سود نہیں کسی قسم کا استحصال نہیں...... خدائی کے دعوے نہیں...... آقا وغلام غریب وامیر، کالے اور گورے سیٹھ اور مزدور اعلیٰ ذات اور کم تر ذات میں کوئی تفاوت نہیں مساوات انسانی کا چلن ہے جس سے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی شان رحمت للعالمینی کا ہر کس و ناکس اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکتا ہے اور اس کی برکات سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یہی فکر انسانی کی معراج ہے اور حقوق انسانی کا سنہری اور درخشندہ نمونہ ـــــــــ کہ اس سے بہتر دورِ انسانیت کبھی آہی نہیں سکتا اور اس کے علاوہ نہ کبھی آیا ہے۔

تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق

جب بندہ اپنے رب کی طرف فرائض کی ادائیگی (فرائض عبادات، حلال رزق و جہاد اور شوقِ شہادت) کے ذریعے آگے بڑھتا ہے، دین کا جھنڈا اُٹھاتا ہے اور دنیا میں نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بن جاتا ہے۔ حزب اللہ بن کر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی تلوار اور "جندٌ من جنود الله" کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے ظہور کا آلہ اور مظہر بن جاتا ہے۔

دوسرے ماحول میں جب انسان غلبہ اسلام کے حالات میں صرف ذاتی عبادات اور نوافل کے ذریعے قرب خداوندی کا متلاشی رہتا ہے تو اُسے بھی قرب خداوندی ملتا ہے مگر یہ قرب الٰہی ایک دوسری شان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کا ہاتھ کان آنکھ اور پاؤں بن جاتا ہے گویا جو بندے کی چاہت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے پورا فرمادیتے ہیں جو دُعا کرتا ہے وہ کام پورا

ہو جاتا ہے۔

پہلی صورت کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے جوریت کی مٹھی پھینکی تھی ــــــــــ وہ عمل کیا تھا

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (08-17)

''اور (اے نبی) جس وقت آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں''

گویا ارادہ اور مشیت اللہ تعالیٰ کی تھی جو آپ ﷺ کے ہاتھ سے پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرمادی۔

دوسری صورت میں جب انسان ذرا نمایاں ہوکر درجہ کمال کے قریب ہوتا ہے تو وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ جو دُعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے جو ارادہ کرتا ہے پورا ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت انسان پر اس وقت تک طاری رہتی ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہتا ہے۔

حاصل کلام

ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ آج جبکہ اسلام مغلوب ہے اس کے غلبے کے لئے جدوجہد، حصول رضائے الٰہی کی خاطر قربانی اور درجہ شہادت پا کر اعلیٰ درجات جنت حاصل کرنا اسی شخص کے نصیب میں ہوسکتی ہے جو اس راہ کا مسافر ہو ــــــــــ اس پُرخطر راہ کا مسافر وہ شخص ہے جو تقرب بالفرائض کی عزیمت کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں چوکس ہوشیار اور بیدار ہے۔ اور ــــــــــ جو ہمارے بھائی اس دور میں بھی صرف ذاتی عبادات اور ذکر واذکار کے مشغلے میں لگ کر جہاد اور غلبہ دین کی ذمہ داری دوسروں کے سر ڈال کر خود صرف تقرب بالنوافل کے لئے کوشاں ہیں وہ اس راستے سے جس چیز کے لئے کوشش کر رہے ہیں وہ غلط موسم اور غلط ماحول میں کسی بے موسم کی چیز کے لئے کوشاں ہیں۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ

آپ ہی اپنے طرزِ تغافل پہ غور کریں ؎
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یا بقول شاعر مشرق علامہ اقبال

اندازِ بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلک مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہب ملا و نبات و جمادات

آیئے آج اسلام کی غربت کے دور میں اپنے لئے صحیح طرزِ عمل اور صحیح راستہ ـــــــ تقرب بالفرائض کا راستہ اختیار کریں، آگے بڑھیں اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند کرنے کی جدوجہد کریں اور دنیا میں نظام خلافت بر پا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور خلق خدا کو حضرت محمد ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی کا مظہر ـــــــ عدل اجتماعی کا نظام دے دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے پورے کرانے والا ہے اور ہماری سعی کو مشکور فرمانے والا ہے۔ آمین۔

آج ہم کہاں کھڑے ہیں‘
یہاں کیسے پہنچے......؟

عبدالرشید ارشد

چونسٹھویں سیڑھی پر کھڑے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عوام جب بلندی سے اپنے گردوپیش کا اس لئے جائزہ لیتے ہیں کہ وہ یہ جان سکیں، وہ آج کہاں کھڑے ہیں تو ’بلندی‘ سے ہر چیز صاف نظر آنے کے سبب وہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان آج ہمہ جہت گھمبیر مسائل سے ’فیضیاب‘ ہے۔ فیضیاب کا لفظ ہم نے سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے کہ ’اپنے‘ ہمیشہ فیضیاب ہی کرتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ اِن ’اپنوں‘ کے حوالے سے ہمیشہ خودکفیل رہی ہے بلکہ آج خودکفالت کا معیار ہر دور سے اُونچا ہے۔ مسائل میں سے بڑے بڑے بلکہ موٹے موٹے مسائل یہ ہیں:

☆ ’ایک روٹی ایک ڈالر دے خدا کے نام پر‘ کی بھیک کا تسلسل

☆ معاشی بدحالی، زراعت اور صنعت وتجارت کی تباہی

(i) ہر قسم کی مہنگائی

(ii) رشوت واقربا پروری

(iii) ہر نوع کی کرپشن خصوصاً مالی کرپشن

☆ تعلیمی انحطاط

☆ نظامِ صحت پر ہمہ جہت حملے

☆ میڈیا (پرنٹ اور الیکٹرانک) کے ذریعے قومی اخلاق واقدار پر حملہ

مذکورہ مسائل ہیں جو قوم کے ہر باشعور بلکہ بے شعور اکثریت تک کا روزمرہ زندگی کا سکونِ قلب چھین رہے ہیں کہ سفر کرنا ہو تو ریل گاڑی نہیں، ہوائی جہاز نہیں کہ 'پرندے ٹکرا گئے'، تیل نہیں، بازار سبزی لینے جائیں تو دکاندار کلو کا ریٹ بتانے کے بجائے پاؤ کا نرخ بتاتا ہے کہ گاہک نرخ سن کر میری دکان یا ریڑھی کے سامنے ڈھیر نہ ہو جائے۔ بجلی، گیس، پٹرول اور ڈیزل کے نرخ ہوں یا دال آٹا اور گھی وغیرہ' غریب تو رہا ایک طرف، متوسط اور بعض 'امیر' بھی 'نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز' کا وِردسن کر سکتے میں آجاتے ہیں اور 'نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن' کی کیفیت سے دوچار ہیں۔

عملی زندگی میں دال روٹی تو ناگزیر ہے ہی' تھانہ کچہری اور سرکار دربار سے واسطہ بھی پڑتا ہے اور کسی انتہائی 'بے ضرر اور معصوم' دفتر میں قدم رکھیں تو بھی اہلکاروں کی 'روشن' پیشانیوں پر 'طلب' کی پٹی پڑھنا کسی بھی سائل کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔ شخصی سفارش کا سورج بتدریج غروب ہو گیا اور اس کی جگہ 'کاغذی سفارش' نے لے لی۔ آج چہار سو اِسی کا چلن ہے۔ کام ناجائز ہے یا جائز ہے صرف 'فیس' کی مقدار کا فرق ہے۔ طریقہ کار کا کہیں بال برابر بھی فرق نہیں ہے!

امپورٹ ہو، ایکسپورٹ ہو، اندرونِ ملک کے کاروباری معاملات ہوں مثلاً سڑکوں یا عمارات کے تعمیراتی ٹھیکے' ہر جگہ ہر کام کی نوعیت یا مالیت کے حساب سے شرح فیصد طے ہے جو متعلقہ فرد کو بروقت ادا کرنا ضروری ہے ورنہ بلیک لسٹ ہونے کا خطرہ ہے۔ 'اپنوں' کا حق مقدم، اپنوں کی پشت پناہی کے لئے ہر ضابطہ اخلاق پاؤں تلے بے حقیقت۔ اگر یہ سب کچھ جھوٹ ہوتا، محض بہتان ہوتا تو آج پی آئی اے کے جہازوں، ریلوے کے انجنوں اور سٹیل مل کے معاملات یہ نہ ہوتے جو آج اس ملک کے ہر شہری کے سامنے ہیں کہ ہر شعبہ زندگی سسک رہا ہے، جان بہ لب ہے۔

تعلیمی انحطاط کی کہانی بھی دردناک ہے اور شرمناک بھی کہ آج تعلیم تجارت کا مال بن چکی ہے۔ دینی مدارس ہوں یا سکول، کالج اور یونیورسٹیاں، علم دینے کے بجائے تعلیم فروخت کرنے کی چھوٹی بڑی دکانیں ہیں (الا ما شاء اللہ)۔ مدارس مسالک کی تعلیم سے آگے بڑھ کر

گروہی تعلیم کے دائرے میں چلے گئے اور جوں جوں نئے گروہ وجود میں آ رہے ہیں دینی علوم اپنی اصل سے بتدریج دُور ہوتے جا رہے ہیں اور یہ پسپائی یا بعض کے نزدیک 'پیش رفت' قرآن و حدیث کی صاف ستھری نکھری تعلیم پر کاری ضرب لگا رہی ہے۔ گنتی کے دینی مدارس ہوں گے جو حقیقی خدمت سرانجام دے رہے ہوں گے۔ 18 کروڑ عوام میں یہ تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہے۔ جہاں تک سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کا تعلق ہے تو بلامبالغہ ان کا کردار تعلیم فروخت کرنے والے چھوٹے بڑے 'تعلیمی جنرل سٹوروں' کا ہے۔ نسل نو کو جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ اس کے سوا کیا ہے

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

آج ہمارے تعلیمی ادارے لارڈ میکالے کی مطلوبہ ذرّیت تیار کر کے روشن خیالی کا ریکارڈ قائم کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی دوڑ میں مصروف ہیں۔ آج چہار سو آپ کو 'سکول سسٹم'، 'گروپ آف کالجز' اور ''چین آف سکولز اینڈ کالجز' طرز کے اشتہارات دیکھنے کو ملیں گے، چمک دمک اور بھاری فیس، مگر علم اور کردار سازی غائب۔ حقیقی علم اور علم کے ساتھ تاکیداً تائیدی عمل دونوں منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔

معلّمین و معلّمات روشن خیال ہیں، نصاب تعلیم روشن خیال ہے اور والدین بھی بچے بچی کا روشن مستقبل دیکھنے کی خاطر ہر حلال و حرام سے بھاری تعلیمی اخراجات کا بوجھ کسی نہ کسی طرح برداشت کر رہے ہیں۔ انہیں اس دنیا کے روشن مستقبل کی فکر کھائے جا رہی ہے مگر اپنا اور بچے بچی کا اُخروی روشن مستقبل اُن کی فہم و بصیرت سے کوسوں دور ہے۔ تعلیم غریب کے بچوں کے لئے تبدریج شجر ممنوعہ ہوتی جا رہی ہے کہ وہ نہ فیس اور دیگر واجبات ادا کرنے کے قابل ہیں اور نہ ہی بھاری قیمت کی نصابی کتب خریدنا اُن کے بس میں ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے مطلوب علم قرآن و سنت کے تابع ہے خواہ یہ علم ڈاکٹری یا انجینئرنگ کے شعبہ سے متعلق ہو یا کیمسٹری اور فزکس کے مضامین ہوں، غرض ہر علم کی بنیاد قرآن و حدیث پر استوار ہونا مطلوب ہے تاکہ عملی سماجی و معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے مسلمان

ڈاکٹر، مسلمان انجینئر، مسلمان معلّمین و معلّمات، مسلمان سائنسدان، مسلمان تاجر و صنعتکار اور مسلمان آجر و اجیر' قوم کا مقدر بنیں۔ جب ہم مسلمان کا لفظ زبان سے نکالتے ہیں تو روائتی مسلمان اس سے مراد نہیں بلکہ قول و فعل میں نکھری اسلامی اقدار کا حامل مسلمان مراد ہے۔

تعلیم ہی کی طرح صحت عامہ کے تمام تر تقاضے ہم نے غیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھے ہیں۔ ملٹی نیشنل دواساز ادارے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت ادویہ سازی کرتے ہیں۔ اکثر ادویات کے SIDE EFFECTS انتہائی مہلک ہوتے ہیں' مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ڈاکٹر حضرات 'مراعات' کے لالچ میں بلا سوچے سمجھے، بلا منسلکہ لٹریچر پڑھے مریضوں کو یہ ادویات استعمال کرواتے ہیں۔ مثلاً خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے ایک مخصوص ٹیکہ (NORIGEST) کے ساتھ لٹریچر میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ کینسر کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ اسی طرح گردوں کو خراب کرنے والی اینٹی بائیوٹک بھی عام ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کے خطرناک نتائج تو رہے اپنی جگہ، آیوڈین ملے نمک اور پولیو کے قطروں پر تحقیقی نظر ڈالنے کی فکر کسی مسلمان ڈاکٹر کو نہیں ہوئی۔ دھڑا دھڑ یہ استعمال کرایا جا رہا ہے، حالانکہ خود انہی کے ماہرین آیوڈین ملے نمک اور پولیو کے قطروں کے بداثرات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ہمارے مسلمان کہلوانے والے ڈاکٹر حضرات کو اتنی فرصت نہیں کہ یہ خود اپنے ہاں ایسی ادویات کی فہرست حکومت کو دیں جو مضر صحت ہیں، جن کے مہلک ترین SIDE EFFECTS بجائے نفع کے نقصان پہنچاتے رہے ہیں یا پہنچا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے عشروں قبل یہ فرمایا تھا کہ:

ع وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

مسلمان ڈاکٹر اگر اس قوم کا مقدر ہوتے تو آج نہ خاندانی منصوبہ بندی کا دور ہوتا نہ آیوڈین ملے نمک سے قوم کو بانجھ بنایا جاتا۔

تعلیم و صحت کے ساتھ ساتھ اہم ترین محاذ میڈیا کا ہے۔ میڈیا پرنٹ ہو یا الیکٹرانک، ایک سے بڑھ کر ایک فحاشی اور بے حیائی میں سبقت لے جانے کی خاطر جو پاپڑ یہ بیلتے ہیں۔ جرائد کے صفحہ اوّل پر نیم برہنہ خاتون کی رنگین تصاویر نہ ہوں تو اس کا معیار ہی مشکوک ہے۔ میڈیا نے

تعلیم اور صحت پر ہی حملہ نہیں کیا بلکہ نوجوان نسل کے اخلاق و کردار کو برباد کرنے کا حق ادا کیا ہے۔ یہ ڈھکی چھپی ہوئی بات نہیں ہے۔ میڈیا کا اصل کردار تو ترویج علم وصحت اور تعمیر اخلاق و کردار ہے مگر بدقسمتی یہ کہ آج کا میڈیا انہیں کا قاتل ہے۔ اخبارات و جرائد ہوں تو شریف آدمی گھر لے جاتے شرماتا ہے۔ ٹی وی کا بٹن دبایئے تو ہر چینل تفریح کے نام پر جو دکھاتا ہے اُس پر نوبیاہتا جوڑا بھی شرما کر آنکھیں جھکانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ خبریں اور تبصرے ہیں تو اخلاق و کردار کی اعلیٰ اقدار کا ماتم کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی کردار کُشی کے لئے ہر سیاست دان کمربستہ دیکھا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ ہے تو سونے پر سہاگہ کہ بعض سائیٹس شرمناک ہیں۔

میڈیا کا اصل کام سماجی و معاشرتی اقدار کے لئے مطلوب لوازم میں استحکام کی راہ ہموار کرنا ہے۔ مگر بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ میڈیا اصل کام انتہائی کم اور تخریبی کام انتہائی زیادہ نبھا رہا ہے۔ گنتی کے چند اخبارات ورسائل اور ٹی وی چینل ہیں جو مثبت کردار نبھا رہے ہیں۔ حکومتی رویہ تو یہ بھی دیکھا جارہا ہے کہ اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے والا چینل بند کردیا گیا ہماری مراد "PEACE" ٹی وی چینل سے ہے جو ادیان باطلہ کے سامنے اسلام کی صاف ستھری تعلیم دلائل کے ساتھ رکھتا تھا۔

اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ آج کی تصویر، جہاں آپ عوام کی مہنگائی کے عفریت سے ڈسنا دیکھیں گے تو خاندان کی اکائی سے لے کر ملکی سطح کی اجتماعیت تک قدم قدم پر ہمہ جہت انحطاط ہر کسی کے سامنے ہے۔ نوجوان نسل بالخصوص جس تیزی کے ساتھ روشن خیالی کی طرف بھگ ٹٹ جارہی ہے اور دینی پلیٹ فارم جس بری طرح گروہ بندی کا شکار ہورہا ہے، اہل فہم و فراست کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

ہم نے یہاں تک کا 64 سالہ سفر کیسے طے کیا یہ اہم ترین سوال ہے۔ بزرگوں سے سنا تھا کہ ہندو بنیا سال پہلے سوچتا ہے، مسلمان چھ ماہ پہلے سوچتا ہے اور سکھ عین وقت پر سوچتا ہے مگر حالات نے، خصوصاً بین الاقوامی حالات نے مذکورہ فارمولا غلط ثابت کردیا کہ آج عالمی مارکیٹ میں ایک فریق یہودی ہے جو سینکڑوں برس پہلے منصوبہ سازی کرتا ہے، ہندو برسوں قبل سوچتا ہے، سکھ آج سال چھ ماہ قبل سوچتا ہے اور مسلمان کہلوانے والی مخلوق 'مومنانہ بصیرت' کو طلاق دیتے

حادثات کے بعد بھی سوچنے کے لئے تیار نہیں ہے۔جس کے سبب آج حاملین قرآن، تائید باری کے وعدے سے محروم، ہر طرف رسوا ہیں۔

عالمی سطح پر شطرنج کی بچھی بساط کے ایک طرف عیار یہودی بیٹھا ہے تو دوسری طرف یورپی اقوام ہیں۔اُس نے اپنی چالوں سے نصاریٰ کو شہ مات دے کر انہیں اپنا غلام بنالیا ہے ایسا غلام جو بے چوں و چراں اس کے احکام کی بجا آوری میں ہمہ وقت مصروف رہے اور کبھی حکم عدولی کا تصور نہ کرے۔یوں برطانیہ کا شاہی خاندان ہو یا امریکہ کے مقدر کے ستارے یعنی امریکی صدور اور اسی طرح فرانس و جرمنی کے مقتدر حضرات، یہود نے اپنے سرمایہ کی بنیاد پر مذکورین کو اپنا غلام بنایا، اسی لئے تو زرخرید غلام آقا کے حکم کے خلاف کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔

یہود نے عالمی سطح کے معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے تین بڑے شعبے طے کرر کھے ہیں۔یہ شعبے شارک، تخریب کار اور عسکری ہیں۔ہر شعبہ کے ماتحت پھر تقسیم کار ہے، ذیلی شعبہ جات ہیں۔شارک کے ذمہ کام یہ ہے کہ:

> ''شارک سرمایہ دار ہے جو سرمایہ کو سود کے لئے پھیلا کر اپنا شکار قابو کرتا ہے (IMF)۔ وہ یہودی مقاصد کی تکمیل کے لئے سرمایہ لگاتا ہے جس کی بنیاد پر غیر یہودی دانشوروں، صحافیوں، سیاستدانوں، ریڈیو اور ٹی وی کے فنکاروں، شاعروں اور ادیبوں کو پس پردہ رہتے خریدتا ہے..........شارک یہودی ملک کے اندر ایسی تنظیموں کی بھی مدد کرتے ہیں جو توڑ پھوڑ کی سرگرمیوں پر ایمان رکھتی ہیں۔ وہ قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، آتش زنی اور ڈاکے جیسے قبیح فعل کی سرپرستی کرتے ہیں۔زیرزمین رہ کر سیاسی عدم واستحکام کے لئے ہنگامے اور جلوس اور دیگر غیر شائستہ سرگرمیوں میں ملوث افراد کو سرمایہ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے...... ......شارک جنگ کے مواقع پیدا کرنے کے لئے اکساہٹیں پیدا کرنے کی خاطر مصروف عمل دیکھے جاتے ہیں۔'' (وثائق یہودیت صفحہ 144)

یہود کے غیر اسلام قوتوں کو زرخرید غلام بنا لینے کے بعد صرف اور صرف اسلام مدمقابل رہ جاتا ہے۔دنیا میں دو ہی نظریاتی ریاستیں معرضِ وجود میں آئیں، پہلی اسلامی جمہوریہ

پاکستان اور دوسری اسرائیل، بقیہ مسلم ریاستیں روائتی بادشاہتوں کی طرز کی حکومتیں ہیں۔ اسرائیل کے ذہن میں یہ کانٹا پہلے دن سے بھارت کی طرح کھٹکتا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی ریاست اسرائیلی وجود کے لئے خطرہ ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم بن گوریان نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے خاتمے پر برملا پاکستان کو اسرائیل کا دشمن نمبر ایک قرار دیتے کہا تھا کہ بھارت کی ازلی پاکستان دشمنی سے استفادہ کرتے پاکستان پر کاری ضرب لگانا اسرائیل بچانا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نظریاتی اساس ختم کرنے کی خاطر یہود و نصاریٰ نے ہر شعبہ زندگی پر حملہ آور ہونے کے لئے منصوبہ سازی کی اور اُس میں یہود کے تشکیل کروائے گئے عالمی اداروں کی مدد لی گئی اور مدد لی جا رہی ہے۔ ہماری اس بات پر چونکیے گا نہیں کہ عالمی ادارے یہود نے تشکیل دلوائے ہیں۔ چند شہادتیں خود اُنہی کی زبانی ملاحظہ فرما لیجئے جو بلاشبہ فہم و شعور رکھنے والوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں:

> THE UNO A TROJAN HORSE: THE UNO IS A TROJAN HORSE OF THE INTERNATIONAL CONSPIRACY OF THE WORLD REVOLUTIONARY MOVEMENT (WRM) (JEWS ORGANISATION).
> (PAWNS IN THE GAME "PAGE 180, WILLIAM GUY CAU).

اسرائیلی ٹروجن گھوڑے بصورت ادارہ اقوام متحدہ، کی اتفاقاً پیدائش نہیں ہوگئی تھی بلکہ اس کے پیچھے برسوں کی سوچ اور منصوبہ بندی کارفرما تھی۔ اس ادارے کا پہلا معصومانہ نام 'لیگ آف نیشنز' تھا۔ منصوبہ ساز جنرل البرٹ پائک تھا جس نے گیارہ سال الگ تھلگ تنہا رہتے ہوئے تین عالمی انقلابات اور تین عالمی جنگوں کی منصوبہ بندی کی اور انقلابِ روس، انقلاب فرانس، پہلی عالمگیر جنگ اور دوسری عالمی جنگ بھی طے شدہ جزیات کے عین مطابق ہوئی۔ وہی ممالک دونوں جنگوں میں آمنے سامنے آئے، جنرل پارک نے جن کو ملوث کرنا طے کیا تھا مثلاً

- ☆ دوسری عالمی جنگ ہوگی جس میں برطانیہ حصہ لے گا۔
- ☆ ترکی کو ہر حال میں برطانیہ کے خلاف صف آرا کیا جائے گا۔
- ☆ ترکی کو ہر حال میں شکست سے دوچار کیا جائے گا کہ ترک خلیفہ نے ارضِ فلسطین میں

یہود کو اراضی فروخت کرنے سے انکار کیا تھا۔

☆ برطانوی سرپرستی میں ارضِ فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی جائے گی۔

☆ عالمی سطح پر لیگ آف نیشنز تشکیل دی جائے گی۔ ذیلی ادارے وجود میں آئیں گے جو یہودی مقاصد کی تکمیل کرتے رہیں گے۔ لیگ آف نیشنز جو بعد میں یو این او بنی کے 'شکم' سے مندرجہ ذیل ادارے وجود میں آئے۔

☆ سکیورٹی کونسل جو مملکتوں کے معاملات نبھائے گی (مگر ویٹو طاقتوں کے مفاد میں)

☆ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف جو خشکی کے آکٹوپس کا روپ دھارے عالمی معیشت کنٹرول کریں گے۔

☆ ڈبلیو ٹی او۔ عالمی تجارت کو تابع کرنے کے لئے۔

☆ ڈبلیو ایچ او۔ عالمی صحت پر اجارہ داری کے لئے۔

☆ ایف اے او۔ عالمی سطح پر زراعت و خوراک کو پسندیدہ جہت دینے کے لئے۔

☆ آئی ایل او۔ عالمی صنعتوں کو لیبر کے ذریعے کنٹرول کرنے کی خاطر۔

☆ یونی سیف۔ تعلیم اور اطفال کے جملہ معاملات کو اپنی نہج پر لانے کے لئے۔

ہم نے چند 'صحت مند اور معروف بچوں' کے نام گنوائے ہیں۔ ویسے ان 'بچوں کے بچے' مثلاً لندن اور پیرس کلب قرضوں کے لئے، روٹری اور ڈائنرز کلب ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو اپنے پلیٹ فارم پر لانے کے لئے' تشکیل دیے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ملٹی نیشنل کمپنیوں اور این جی او مافیا کو شامل کر لیں تو اُن کا نقشۂ کار سامنے آجاتا ہے کہ یہ این جی اوز کو کثیر امداد دے کر ملک کے اندر اپنے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ سروے کی آڑ میں جاسوسی' مقامی این جی او ملازمین کے ذریعے کرائی جاتی ہے۔ ہمارے پاس اس کی ٹھوس مثالیں موجود ہیں کہ FAO نے خوشاب کے ایٹمی پلانٹ کے گرد سروے کرایا، وادی سون میں جہاں ایئر فورس کی تنصیبات ہیں وہاں کسی این جی او نے تعلیم کے نام پر سروے کیا تھا۔

مذکورہ پس منظر میں اب مختلف شعبہ جات کا جائزہ لیتے یہ دیکھتے ہیں کہ یہ عالمی

’دیمک‘ ہماری صحت، تعلیم، معیشت اور سماجی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو کیسے چاٹ رہی ہے اور اس ’دیمک‘ کے کسی جگہ رکنے یا اسے روکنے کے لئے اقدامات دُور دُور تک نظر نہیں آتے بلکہ ہر روز اضافہ ہی دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ اس ’دیمک کنٹرول‘ کی ذمہ داری جن کندھوں پر تھی یا آج بھی ہے، اُنہوں نے پاکستان کا نمک کم اور غیر ملکی آقاؤں کا نمک زیادہ کھایا ہے جسے حلال کرنا اُن کی ’مجبوری‘ ہے۔ اس مجبوری کو اُنہوں نے قوم کی مجبوری بنا دیا ہے۔

☆ **صحت** کا معاملہ دیکھیں تو خاندانی منصوبہ بندی یا بہبود آبادی کے نام پر مسلمانوں کی نسل کُشی کا سارا سامان اس میں موجود ہے۔ آیوڈین ملا نمک قوم کو بانجھ بنانے کے لئے کھلایا جا رہا ہے۔ پولیو کے قطروں پر کسی کی نظر نہیں کہ پولیو ختم کرنے کے ساتھ یہ قطرے اور کیا گل کھلانے والے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے فاضل ماہرین طب یعنی ڈاکٹر حضرات کو اس طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنی مخصوص ادویہ کی سیل بڑھانے کی خاطر کسی کو فریج، کسی کو ٹی وی تو کسی کو نئے ماڈل کی گاڑی کے تحفوں کی چاٹ لگائی تو اس نوع کی رشوت سے بچنے والوں کو عمرہ کے ٹکٹ تقسیم کرنا اپنے مارکیٹنگ شیڈول کا جزو لاینفک بنایا ہوا ہے۔

بہبود آبادی ہو یا آیوڈین ملا نمک اور پولیو کے قطرے ہوں، اس پر غیر پاکستانی ماہرین اپنی تحقیق سامنے لا چکے ہیں مگر اس کے باوجود ہم ہیں کہ انتہائی اخلاص کے ساتھ WHO کی محبت میں یہ زہر قوم کے گلے سے نیچے اتارے جا رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تحقیقاتی لیبارٹریاں یہ تکلیف گوارا کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہیں کہ قوم کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ مثلاً آیوڈین بطور دوائی گلہڑ کا علاج ہے اور ماہر ڈاکٹر مریض کے مرض کی نوعیت، مریض کی جسمانی ساخت اور عمر کی مناسبت سے دوائی کی مقدار اور دورانیے کا تعین کرتا ہے مگر اس کے برعکس یہاں آیوڈین ملا نمک بچے بوڑھے، جوان مرد و زن اور حاملہ تک مسلسل کھائے جا رہے ہیں یا انہیں کھلائے جانے پر حکومت مصر ہے اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ نمک میں آیوڈین کس مقدار سے ملایا جا رہا ہے۔

☆ **تعلیم**: کسی نظریاتی مملکت میں تعلیم، مملکت کے لئے طے کردہ نظریہ کے خلاف دی جائے تو آپ خود ہی تصور کر سکتے ہیں کہ تعلیم کیا گل کھلائے گی۔ مستقبل کی امین نسل کس ڈھب سے

تیار ہوگی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا بنیادی نظریہ قرآن وسنت طے شدہ ہے مگر نظامِ تعلیم پہلے روز سے ہی لارڈ میکالے کا طے کردہ اپنایا گیا۔ اسے اُردو میڈیم اور انگلش میڈیم کے لیبل کے ساتھ قوم کو پیش کیا گیا۔ تعلیم وتعلّم میں نصاب اور معلّم دونوں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ نصابِ تعلیم کو اسلام کے نظریہ حیات سے دور لے جانے کے لئے ہر دور کی حکومت نے مقدور بھر کوشش کی۔ ماضی بعید کو چھوڑیے ماضی قریب میں جھانکیے کہ غیروں کی خوشنودی کی خاطر ہم نے کیا کچھ نہیں کیا۔

☆ ''جنرل پرویز مشرف دینی مدارس اور سکولز میں جو اصلاحات متعارف کروا رہے ہیں۔ ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔'' (برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا کا پشاور یونیورسٹی میں خطاب)

☆ ''امریکی ادارے 'ایجوکیشن ریفارمز (ایسرا) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مسٹر برائن نے اسلام آباد میں بتایا کہ نصاب کی اَپ گریڈیشن کے لئے امریکہ پاکستان کو 60 ملین ڈالر دے گا۔'' (روزنامہ خبریں)

☆ ''امریکہ کے خلاف پاکستان میں بڑھتی ہوئی نفرت کے علاج کے لئے وہاں کی ونڈرفل لیڈی محترمہ زبیدہ جلال وفاقی وزیر تعلیم پاکستانی نصاب تعلیم میں تبدیلیاں کر کے اس کا علاج کر رہی ہیں۔'' (کونڈا لیزا رائس کا امریکی سینٹ میں بیان۔ بحوالہ نوائے وقت لاہور)

☆ 'O لیول' کی انگلش کتاب سے صرف ایک اقتباس طلباء وطالبات کی 'تعمیر کردار' کی 'محنت' دیکھئے

> ''چھوڑتے ہوئے گھر دفعتاً اس کے تصوّر یوں اُبھرے جیسے ابھی ابھی وہ انہیں چھوڑ کر نکلے ہیں کاش وہ بھی میرے ساتھ سوار ہو جاتی۔ نہ جانے اب کن پانیوں میں گھری ہوگی؟ وہ کون تھی؟ وہ جو زینے سے اُترتے ہوئے سیڑھیوں کے نیچے مجھ سے ٹکرا جایا کرتی تھی؟ وہ سارا منظر اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ وہ ہرنی جیسی آنکھوں والی اپنے لبادے کے اندر دو پکے ہوئے پھل لئے پھرتی تھی اور جب سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے اُس نے اُسے تھاما تو یوں لگا کہ دو گرم دھڑکتے ہوئے پوٹے والی کبوتریاں اس کی مٹھی میں آ گئی ہیں'' (بحوالہ نصاب تعلیم پر قرطاس ابیض 2004)

مذکورہ اقتباس نصاب میں کی گئی تبدیلیوں میں سے نسبتاً 'شریفانہ' جانتے آپ کے

سامنے بطور نمونہ رکھا ہے ورنہ اس نصابی زنبیل میں تو ننگے پن کی انتہا ہے جسے لکھتے قلم بھی شرماتا ہے۔ ایسے نصاب کو پڑھانے کے لئے معلّمین و معلّمات کو سرکاری وظائف عطا کر کے یورپ وامریکہ سے تربیت دلوائی جاتی ہے کہ وہ مکمل طور پر روشن خیال بن کر وطن لوٹیں اور مشن کی تکمیل کریں۔

میڈیا کا اپنا محاذ ہے کہ درسِ قرآن وحدیث بھی ہے، نعت و وعظ بھی ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اشتہارات کے نام پر غلیظ ترین اخلاق سوز مرد و زن کا اختلاط اور ہلڑ بازی بھی دکھائی جاتی ہے، جسے میاں بیوی بھی تنہائی میں دیکھتے شرما جائیں۔ اسلامی جمہوریہ کے اسلامی آئین پر حلف اُٹھانے والے اپنے حلف کی پاسداری کا حق یوں ادا کر رہے ہیں کہ میڈیا کو بے حیائی کے لئے مادر پدر آزاد چھوڑ دیا ہے۔ مساجد میں لاؤڈ سپیکر صرف آذان کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ کوئی غلطی سے نعت پڑھ دے تو تھانے میں پرچہ درج ہوتا ہے (ایسا عملاً ہوا ہے) مگر ٹی وی چینل دن رات فحاشی پھیلائیں، نسل نو کو بداخلاقی کا درس دیں تو یہ روشن خیالی کی ضرورت کی تکمیل ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں یہود و نصاریٰ کی اس منصوبہ بندی کی تکمیل میں ایسی بیہودہ اشتہار بازی میں مصروف ہیں کہ اسلام پر غلبہ پانے کے لئے مسلمان نسل کو بے حیا بنانا ضروری ہے۔ جب مسلمان قرآن کو بھی میوزک کے ساتھ پڑھنا اور سننا گوارا کر لے گا بلکہ اس میں لذت محسوس کرے گا تو ہم کامیاب ہوں گے اور آج یہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔

ؔ ہے میرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی
لا الٰہ مردہ و افسردہ و بے ذوقِ نمود
علامہ اقبالؒ

مدیر کے نام

محمد رشید   ملتان

اللہ کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں۔ ماہنامہ حکمت بالغہ باقاعدگی سے موصول ہو رہا ہے۔ جھنگ جو پیروں فقیروں اور مسلکوں کے عنوان کے تحت کام کرنے کے لئے نہایت زرخیز ہے جبکہ خالص قرآن وسنت کے عنوان کے تحت دعوت 'لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے، ایسی سرزمین پر قرآن وسیرت کے عنوان کے تحت دعوت کا کام انتہائی باسعادت اور مبارک سعی ہے۔ اُمید ہے اس ضمن میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور عدم تعاون کو آپ خندہ پیشانی سے برداشت کررہے ہوں گے۔ اگر آپ علاقہ کے مزاج اور رجحان طبع کی رعایت فرماتے رہیں گے تو ان شاء اللہ انہی لوگوں میں سے آپ کو قرآن وسنت (اقامت دین) کی دعوت کے لئے معاون اور مددگار ملتے چلے جائیں گے۔

دسمبر 2011ء کے شمارے میں ''حرفِ آرزو'' کے عنوان کے تحت آپ کے حساس احساسات سے آگاہی ہوئی۔ آپ نے بالکل درست فرمایا کہ ''_____ ملکی قانون کا ڈھانچہ اور بالخصوص_____ عدالتی طریق کار، پولیس کا نظام، تفتیش کا نظام، مجرموں کی تحویل کا نظام، جیلوں کا نظام، پولیس کی تربیت کا نظام، عدالتی عملہ کی تربیت کا نظام_____ سب کے سب نظر ثانی کے

متقاضی ہیں۔ نہ صرف یہ ــــــــ بلکہ ہمارے ملک کی فوج کی تربیت اور اس کی ذہن سازی، ہمارے خفیہ اداروں کی تنظیم اور تربیت، اعلیٰ انتظامیہ کے تربیتی اداروں جیسے نیپا (NIPA) اور دیگر سروسز اکیڈمیوں کے نظام اور طریق کار کو بھی یکسر بدلنے کی ضرورت ہے۔''

آپ نے پاکستان میں عدل وانصاف اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مدوّن فقہ کے فقدان کی طرف نہایت دردمندی سے جو توجہ دلائی ہے۔ وہ پاکستان کی دینی و مذہبی سیاسی (بشمول اسلامی انقلاب کی علمبردار) جماعتوں کے لئے بالخصوص اور علماء کرام کے لئے بالعموم دعوت فکر رکھتی ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں اقامت دین، نظام خلافت اور اسلامی انقلاب کی داعی جماعتوں کے لئے یہ بات لمحہ فکریہ ہے کہ اس خاص حوالے سے جو مرکوز کوشش کی جانی چاہئے تھی اس سے ان جماعتوں نے جماعتی حیثیت سے شدید اغماض برتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ محترم جماعتیں کسی حد تک اس سے معذور بھی تھیں کہ پاکستان میں پچھلے ساٹھ سالوں میں سرکاری اور قومی زبان کے ضمن میں جو شدید الجھاؤ اور دورنگی پائی جاتی رہی ہے اس نے ہمارے سارے معاشرتی، سیاسی، قانونی و عدالتی اور تعلیمی ڈھانچے کو فالج زدہ اور کینسر زدہ کر کے رکھ دیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ایک غلام قوم کی ذہنی غلامی کی خونچکاں داستان کا خلاصہ بیان کروں مگر جس مقصد کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں اس سے ہٹنے کا خدشہ ہے۔

آپ نے مدوّن فقہ اسلامی کی جس ناگزیر ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ ''یہ ضرورت اگر کسی ایک مسلمان ملک میں پوری ہو جائے تو دیگر اسلامی ممالک میں بآسانی اس پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔'' آپ نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے فقہ اسلامی کی تدوین کے ضمن میں جن پُرتشوحش خیالات کا اظہار فرمایا ہے، جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ (فکری توازن کی وجہ سے جنہیں میں اپنا فکری مرشد مانتا ہوں) نے بھی ان سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد اس سلسلے میں ہونے والے کام کی تفصیل بیان کی ہے، جو یقیناً آپ کے لئے باعث مسرت ہوگی۔ محترم غازی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''بیسویں صدی کی آخری تین چوتھائیاں اور بالخصوص اس کا نصف ثانی فقہ اسلامی میں ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ عرب دنیا میں خاص طور پر اور غیر عرب مسلم دنیا میں عام طور پر فقہ

اسلامی پر ایک نئے انداز سے کام کا وسیع پیمانہ پر آغاز ہوا۔ ایسا کام جس کے مخاطبین مغربی تعلیم یافتہ لوگ اور مسلمانوں میں وہ لوگ تھے جو مغربی قوانین اور افکار سے مانوس یا متاثر ہیں۔ یہ کام عرب دنیا میں زیادہ کامیابی کے ساتھ ہوا۔ غیر عرب دنیا میں اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں ہوا۔ اس کے شاید دو اسباب ہیں:

پہلا اور سب سے اہم سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی دنیا میں زبان کا اختلاف اور بُعد کوئی مسئلہ نہیں تھا اور نہ ہی زبان جدید اور قدیم دونوں طبقوں کے درمیان کوئی رکاوٹ تھی۔ ہمارے ہاں زبان کی رکاوٹ سب سے بڑی رکاوٹ تھی جس کی وجہ سے جدید اور قدیم دونوں طبقوں کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل تھی۔ علمائے کرام انگریزی نہیں جانتے اور قانون دان حضرات عربی سے واقف نہیں۔ اس لئے نہ علماء اپنی بات ان تک پہنچا سکتے ہیں نہ وہ اپنی بات علماء تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس لئے دونوں کے درمیان کوئی MEETING POINT نہیں تھا۔ ہمارے ہاں کے برعکس عرب دنیا میں مغربی قوانین عربی میں ترجمہ ہو کر نافذ ہوئے۔ اس اعتبار سے وہ ہم سے بہتر ہے کہ اُنہوں نے اپنی زبان نہیں چھوڑی۔ مغربی قوانین کا پہلے اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور پھر ان کو نافذ کیا۔ اُنہوں نے قانون کے بارے میں جو کچھ سوچا اور جو کچھ لکھا وہ عربی ہی میں لکھا۔ عربی میں سوچنے اور لکھنے کے دو فوائد ایسے ہوئے جو ہمارے ہاں نہیں ہو سکے۔ ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ عربی زبان کا اپنا ایک مزاج ہے جس سے اسلامی اسپرٹ کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب مغربی قوانین کو عربی زبان میں لکھا گیا تو کچھ نہ کچھ اسلامی روح اور اسلامی مزاج ان مغربی قوانین میں بھی داخل ہو گیا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ چونکہ عرب دنیا کے قانون دان حضرات سارا کام عربی زبان ہی میں کر رہے تھے تو وہ فقہ اسلامی سے اتنے غیر مانوس اور اتنے دور نہیں تھے جتنا ہمارا وہ طبقہ جو انگریزی ہی لکھتا، پڑھتا اور بولتا ہے اور عربی سے قطعاً نابلد اور شریعت سے ناواقف ہے۔

اس کے برعکس عرب دنیا میں اگر ان دونوں طبقوں کے درمیان کوئی بعد تھا بھی تو وہ وقت کے ساتھ کم ہوتا چلا گیا۔ ایک تو معاصر فقہائے اسلام نے مغربی انداز، مغربی اصطلاحات، نئے اسلوب اور نئے محاورے میں فقہ اسلامی پر کتابیں لکھیں۔ ان کے مخاطبین وہی لوگ تھے جو

قانون دان، وکلاء اور جج صاحبان تھے۔ دوسری طرف ان قانون دان اور جج صاحبان نے عربی زبان سے گہری اور براہ راست واقفیت کی وجہ سے وہ دوری محسوس نہیں کی جو ان کو فقہ اسلامی سے ہوسکتی تھی اگر وہ عربی زبان نہ جانتے۔ اس لئے یہ کام عرب دنیا میں زیادہ کامیابی کے ساتھ ہوا۔ بعض حضرات نے ایسی غیر معمولی اور تاریخ ساز کتابیں لکھیں کہ اُنہوں نے فقہ اسلامی کا میدان مسلمانوں کے لئے مار لیا۔ یہ بات میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ اُنہوں نے عرب دنیا میں فقہ اسلامی کا معرکہ جیت لیا۔ آج کوئی عرب قانون دان کم از کم پچھلے تیس پینتیس سال سے یہ نہیں کہتا کہ اسلامی قوانین ناقابل عمل ہیں اور مغربی قوانین ہی کو نافذ ہونا چاہئے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو وہ کسی کے دل میں ہوگی یا ایک آدھ فیصد ایسے لوگ ہوں گے جن کی بات کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ اس وقت عرب دنیا میں قانون دان حضرات، جج صاحبان اور وکلاء کی بڑی تعداد وہ ہے جو فقہ اسلامی کے بارے میں انتہائی مثبت اور عقیدت مندانہ رویہ اور طرزِ عمل رکھتی ہے۔

اس موقع پر دنیائے اسلامی کے نامور ترین، جید ترین اور بیسویں صدی کے سب سے بڑے فقیہ استاذ مصطفیٰ احمد زرقا نے تجویز پیش کی کہ فقہ اسلامی کے ذخائر اور اُصولوں کو ایک انسائیکلو پیڈیا کی شکل میں تیار کیا جائے۔................استاذ زرقا کا خیال تھا کہ اگر ایسی کوئی جامع کتاب تیار ہوجائے تو وکیلوں، ججوں اور قانون دانوں کے لئے فقہ اسلامی کے مباحث سے استفادہ کا عمل بہت آسان ہوجائے گا۔ استاذ مصطفیٰ زرقا نے ایک انسائیکلو پیڈیا کا نقشہ بنایا۔ کویت میں اس پر کام شروع ہوا۔ کئی بار رُکا اور کئی بار شروع ہوا۔ لیکن وہ زندگی بھر اس بات کی دعوت دیتے رہے اور کم وبیش چالیس پینتالیس سال وہ اس بات پر لکھتے اور زور دیتے رہے کہ ایک نسائیکلو پیڈیا تیار کیا جائے۔ چنانچہ اس موضوع پر دو انسائیکلو پیڈیا تیار ہوئے جن میں سے ایک کی ترتیب میں خود استاذ مصطفیٰ زرقا بھی شامل رہے................''ان کے کئی شاگرد براہ راست اس کی ترتیب میں شریک تھے۔ یہ ایک بہترین انسائیکلو پیڈیا ہے اور غالباً پینتالیس یا پچاس جلدوں میں مکمل ہوگئی ہے۔ کویت کی وزارت اوقاف نے ''موسوعۃ الفقہ الاسلامی'' کے نام سے یہ کام کرایا ہے۔ کویت کی وزارت اوقاف نے پچیس تیس سال میں اس پر بہت سے وسائل صرف

کئے ہیں اورعرب دنیا کے بہترین فقہی دماغوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔البتہ بھارت کے اہل علم نے اسلامی فقہ اکیڈمی کے زیر انتظام اس بے مثال کتاب کی بیشتر جلدوں کا اُردو ترجمہ کر ڈالا ہے اور زیرطبع ہے۔

بہر حال یہ انسائیکلوپیڈیا مکمل ہو چکا ہے۔اب فقہ اسلامی کے سارے ذخائر میں جو بنیادی تصورات، بنیادی اُصول اور نظریات ہیں، ان سب کو ایک بڑے سلیقہ سے علمی انداز میں مرتب کر دیا گیا ہے۔اب عرب دنیا میں کسی کو کم از کم یہ کہنے کا عذر نہیں رہا کہ میرے پاس فقہ اسلامی کا موقف جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں۔اب عرب دنیا کا کوئی قانون دان جب چاہے اور جس موضوع پر چاہے اس کو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے لے کر آج تک کے فقہا کے کام کا پورا خلاصہ ایک جامع انداز میں مل جائے گا۔

بیسویں صدی میں ایک بڑا کام تو دنیائے اسلام میں یہ ہوا جو فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایک بڑا تاریخ ساز کام ہے۔دوسرا کام جس کی بہت سی مثالیں ہیں لیکن میں چند مثالوں پر ہی اکتفا کروں گا۔وہ یہ ہوا کہ بعض جید فقہائے اسلام نے یہ سوچا کہ جدید مغربی تصورات کو سامنے رکھتے ہوئے اور جدید مسائل کی نشاندہی کر کے ان مسائل کے بارے میں فقہ اسلامی کا موقف جدید انداز میں جدید اصطلاحات کے ساتھ بیان کیا جائے۔اس میں دو تین نام بڑے نمایاں ہیں۔

ایک اہم کام تو مصر کے انتہائی نامور فقیہ اور مجاہد اسلام استاذ عبدالقادر عودہ شہید نے کیا۔یہ اخوان المسلمون کے رہنما تھے اور 1954ء میں جمال ناصر نے ان کو پھانسی دے کر شہید کر دیا تھا۔ان کا کام اتنا غیر معمولی ہے کہ بعض بالغ نظر اصحاب علم کا خیال ہے کہ یہ کتاب یعنی ''التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالتشریع الوضعی'' بیسویں صدی میں لکھی جانے والی چند بہترین کتب فقہ میں سے ہے۔اس کتاب میں استاذ شہید نے اسلام کے قانون فوجداری کے گہرے اور عالمانہ مطالعہ کے ساتھ ساتھ جدید قانون فوجداری کے ساتھ اس کا کامیاب تقابل بھی کیا ہے۔یہ کتاب دو بڑی جلدوں میں ہے اور فوجداری قوانین پر فقہ اسلامی کے پورے ذخیرے میں بہترین کتاب ہے۔اس سے بہتر کوئی کتاب فقہ اسلامی کے ذخیرے میں اسلام کے قانون فوجداری کا موقف بیان کرنے والی نہیں ہے۔اس کا اُردو ترجمہ بھی ہوا ہے اور انگریزی میں بھی گزارہ کے

قابل ایک ترجمہ موجود ہے۔ اس کے درجنوں بلکہ شاید سینکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
(محاضرات فقہ،صفحہ 531-526)

محترم غازی صاحبؒ اپنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تیرہ سو سال میں فقہائے اسلام نے جو سوچا، جو لکھا، فقہ اسلامی کے احکام جس طرح سے مرتب کئے، ان کی پشت پر کارفرما عمومی نظریات وقواعد کو قانونی اُصولوں اور تصورات کے عنوان سے الگ الگ سائنٹفک انداز میں مرتب کرنے کا کام اس دور میں ہوا ہے۔ اس پر عرب دنیا میں ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس غیر معمولی کام پر دنیائے عرب کے فقہاء ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس اسلوب پر پاکستان میں کوئی خاص کام نہیں ہوا ہے۔ شریعت کے نفاذ کے بارے میں ہمارے ہاں بہت سارے دعوے بار بار ہوتے رہے۔ لیکن یہ کام جو انتہائی ضروری ہے اور جس کے بغیر شریعت کا نفاذ نہیں ہوسکتا یہ پاکستان میں برائے نام ہی ہوسکا ہے۔'' (محاضرات فقہ صفحہ 547)

محاضرات فقہ میں جناب غازی صاحبؒ کی گفتگو کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے:

''اس طرح کے کام تین میدانوں میں بہت اچھی طرح سے ہوئے ہیں ایک فوجداری قوانین کے میدان میں، دوسرا تجارت ومعیشت کے میدان میں اور تیسرا دستوری اور آئینی تصورات کے میدان میں۔ اسلامی آئینی تصورات پر بیسویں صدی میں انتہائی قابل قدر کام ہوا ہے، سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اہل علم نے اس کام میں حصہ لیا اور اسلام کے نقطہ نظر کو پوری طرح منقح کر کے رکھ دیا۔ اسلام کے آئینی اور دستوری تصورات کیا ہیں؟ اب اس بارے میں دنیائے اسلام کے اندر کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔ جزوی اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس موضوع پر بنیادی اُصولوں اور اہم تصورات میں CLARITY (وضاحت) پیدا ہو چکی ہے اور اتفاقِ رائے موجود ہے اور یہ معلوم ہے کہ اب اس دور میں اگر اسلامی ریاست بنے گی تو کن خطوط پر بنے گی اور اس کا دستور تیار ہو تو کن خطوط پر ہونا چاہئے۔'' (محاضرات فقہ صفحہ 540)

اُمید ہے کہ یہ چند سطور ایک حد تک آپ کے لئے فرحت وشادمانی کا باعث ہوں گی۔
اگر آپ کو جناب غازی صاحبؒ کے نقطہ نظر اور مواد سے اختلاف ہے تو ان کے مذکورہ اقتباسات

پر تبصرہ ضرور فرمائیے گا۔ تاہم پاکستان کی حد تک ہم جس کربناک اور اندوہناک صورتحال کا شکار ہیں اس کی ذمہ داری نہ صرف پاکستانی معاشرہ اور 65 سال سے ریاست پر

بقیہ از ''مدیر کے نام''

قابض مغرب کی ذہنی غلام حکومتوں پر عائد ہوتی ہے بلکہ ہماری تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں بھی اس نہایت اہم کام سے غفلت اور لاپرواہی کے جرم میں برابر کی شریک ہیں۔ باقی جہاں تک تعلق ہے اسلامی انقلاب اور اقامت دین کی داعی جماعتوں (بشمول جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی) کا تو یہ بات نہایت افسوس سے تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ ان جماعتوں نے سوائے زبانی جمع خرچ کے اس ضمن میں کسی ٹھوس تعلیمی منصوبہ یا علمی پیش رفت کا آغاز پچھلے 40/65 سال سے نہیں کیا۔ اگرچہ دین کی پرائمری یا پھر زیادہ سے زیادہ سکینڈری لیول کی دعوت و اشاعت کے سلسلہ میں ہر دو جماعتوں کے مثبت حصہ کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے لیکن خود احتسابی............ میرے محترم خود احتسابی کہ اس کے بغیر نہ افراد ترقی کر سکتے ہیں اور نہ ہی گروہ اور جماعتیں۔

والسلام

دُعاؤں کا محتاج

محمد رشید

abu.munzir1999@yahoo.com

مرحلہ عالمیہ بنین کے اہل جامعات متوجہ ہوں

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نصاب کمیٹی کے فیصلہ اور مجلس عاملہ کی توثیق کے بعد

آئینہ قادیانیت

عالمیہ بنین سالِ اول (درجہ مشکوٰۃ) میں داخل نصاب ہو چکی ہے۔ وفاق کے سالانہ امتحان الورقة الاولی میں نخبة الفکر اور علوم القرآن کے ساتھ ایک سوال آئینہ قادیانیت سے بھی ہوگا۔

کتاب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے تمام دفاتر سے اصل لاگت پر دستیاب ہے

المشتہر حضرت مولانا **محمد حنیف** جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان